جلد نمبر ۲ | شمارہ نمبر ۲ | رجب المرجب ۱۳۸۶ھ | نومبر ۱۹۶۶ء | زرِ سالانہ چھ روپے

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نائب و ناشر نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نقشِ آغاز

تحریک خاندانی منصوبہ بندی (ضبطِ ولادت) کی ترویج میں ہمارے ملک کی پوری مشینری مصروفِ عمل ہے۔ اقتصادی فوائد کے علاوہ اسکی اخلاقی اور سماجی خوبیوں کا پرچار بھی ہو رہا ہے۔ طرفہ تماشا یہ کہ نئے اسلام کی تخلیق کرنے والی ایک فیکٹری "ادارہ تحقیقاتِ اسلامیہ" اور اس کے نام نہاد محققین کی ایک پوری کھیپ بھی قتل اولاد کی اس انسانیت کش تحریک کے ڈانڈے قرآن و سنت اور فقہاء اسلام کے اقوال سے ملانے میں مصروف ہے۔ اخبارات کے پورے ایڈیشن اور ضمیمے اس نسخۂ شفا کے پرچار کیلئے نکل رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس نقار خانہ میں اہلِ حق کی صدائے غربت پر کوئی توجہ دے بھی تو کیسے؟ پھر بھی اہلِ حق علماء اپنے فریضۂ احتساب کی بناء پر علی الاعلان بلاخوف وخشیۃ اس تحریک کے روحانی، سماجی، اور سیاسی عواقب اور تباہ کن نتائج سے قوم کو آگاہ کر رہے ہیں۔ وہ قوم جو بلا جھجک یورپ کی بہیمانہ تقلید میں کودتی بھاگی جا رہی ہے۔ آج کی فرصت میں ہم اس ماہ کی دو ایک خبریں اخلاقی زوال اور تحریک نسل کشی کے پرچار کرنے والوں کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ اس تحریک کے طبی پہلو پر اس خبر سے روشنی پڑتی ہے:

لندن کے ایک فزیشن نے کہا ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی اور برتھ کنٹرول کیلئے جو انسدادی گولیاں استعمال کی جاتی ہیں، ہو سکتا ہے کہ وہ بعد ازاں مرد کی صحت پر اثر انداز ہوں اور متاسفے کی بیماری پیدا ہو جائے۔ ایسے کئی واقعات ہوئے ہیں ۔ (روزنامہ جنگ راولپنڈی ، اکتوبر ۱۹۶۶ء)

عورتوں کیلئے اس عمل کے بیشمار بیماریوں کا باعث ہونے کی خبریں بھی روزمرہ شائع ہوتی رہتی ہیں۔ برتھ کنٹرول کے سیاسی مضرات کا اندازہ اس خبر سے ہوتا ہے، کہ اس ماہ رومانیہ (ایک اشتراکی ملک) میں اسقاطِ حمل کو ممنوع قرار دینے کے لئے قانون نافذ کیا گیا ہے۔ اور اس سلسلے میں نافذ کئے جانے والے قانون کے تحت صرف شدید طبی ضرورت کے علاوہ اسقاطِ حمل کو ممنوع قرار دیا گیا ہے ۔ (روزنامہ جنگ راولپنڈی ۲۵ اکتوبر ۱۹۶۶ء)

اس سے قبل افرادی قلت اور قومی خودکشی کا تلخ تجربہ فرانس اور کئی دیگر ممالک کو ہو چکا ہے۔ اور اس حماقت نے ان ممالک کی عظمت کو خاک میں ملا کے رکھ دیا ہے۔ رہا اس تحریک کا اخلاقی اور سماجی پہلو، تو اس کا اندازہ آج یورپ کے ہر اس ملک سے لگایا جا سکتا ہے، جہاں اخلاق و شرافت کے تمام بندھن ٹوٹ گئے ہیں۔ اور جنسی ہیجان کے طوفان میں انسان محض ایک انسان نما بھیڑیا

بن کر رہ گیا ہے۔ ذیل کے چند تازہ اعداد و شمار سے اس حیوانیت کا اندازہ لگائیے، اور اس آئینہ میں اپنے ملک اور معاشرہ کے سیاہ مستقبل کی ایک جھلک بھی دیکھ لیجئے ــــ امریکہ میں صرف پچھلے ایک سال میں دو لاکھ پچاس ہزار طالبات کا اسقاط حمل کرایا گیا۔ (مجلۃ العربی ستمبر کویت)

خاندانی منصوبہ بندی کے آلات اور ادویات نے جن لوگوں کو اس دھندہ سے چھٹکارا دیا ہوگا اس کا اندازہ آپ خود لگائیے۔ پھر مذکورہ تعداد بھی صرف طالبات کی ہے ــــ انگلستان میں پچھلے ایک سال کے اندر ایک لاکھ چھبیس ہزار ناجائز (حرامی) بچے پیدا ہوئے (العربی کویت) اور اس طرح حرامیوں کے اس لشکر جرار نے "حلال پیداوار" کا کوٹہ پورا کر دیا ــــ اب ایک ایسے ملک کا حال سنیئے جو یورپ کا نہیں مشرقِ وسطیٰ کا ملک ہے۔ اور جہاں کی تقریباً نصف آبادی مسلمانوں کی ہے۔ کویت کا مشہور رسالہ "العربی" رقمطراز ہے:

"بیروت میں ۸۰ فیصد طالبات شادی سے پہلے ہی جنسی تعلقات قائم کر لیتی ہیں۔ ابھی پچھلے دنوں ہمارے ہاں کے سرکاری حلقوں میں بھی اس تحریک کے ناجائز استعمال پر تشویش ظاہر کی گئی ہے جس کی خبریں اخبارات میں آ چکی ہیں۔ انسان کے حقیقی رشد و ہدایت کی سچی اور لازوال کتاب قرآن مجید نے بہت پہلے "قتلِ اولاد" سے منع کرنے کے فوراً بعد زنا اور اس کے محرکات سے روک کر اس حقیقت کی نشاندہی کی ہے، کہ قتل اولاد" کی ہر شکل اور زنا و فحاشی میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ دونوں آیات کے باہمی ربط سے عیاں ہے، کہ پہلا جرم (قتل اولاد) دوسرے جرم (زنا اور فحاشی) کا محرک ہے ــــ پڑھیئے اور قربان جائیے اس لافانی کتاب کے اعجاز سے ارشادِ ربانی ہے: ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق نحن نرزقھم وایاکم ان قتلھم کان خطاءً کبیراً۔ بنی اسرائیل ۳۱ (اور مت کرو قتل اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے ہم ان کو بھی روزی دیں گے اور تم کو بھی دیتے ہیں۔ بیشک اولاد کو قتل کرنا بڑا بھاری گناہ ہے۔)

اس آیت کے فوراً بعد ارشاد ہے: ولا تقربوا الزنیٰ انہ کان فاحشۃً وساء سبیلاً۔ ۳۲

(اور زنا کے قریب بھی نہ پھٹکو کیونکہ زنا بڑی بے حیائی کی بات ہے اور بہت بری راہ ہے۔)

نہ صرف اس مقام پر بلکہ دوسری جگہ سورۃ انعام میں بھی قتلِ اولاد سے منع کرنے کے معاً بعد فحاشی اور بے حیائی کی نمایاں اور خفیہ تمام صورتوں سے روک دیا۔ اس اندازِ بیان سے بھی صاف نمایاں ہے کہ دوسرا جرم (بے حیائی اور فحاشی) پہلے جرم (قتل اولاد) برتھ کنٹرول کا لازمی اور طبعی ردِ عمل ہے ارشاد ہے: ولا تقتلوا اولادکم من املاق نحن نرزقکم وایاھم ولا تقربوا الفواحش

ما ظہر منہا وما بطن۔ آیت ۱۵۱۔ انعام۔ (اور مت قتل کرو اپنی اولاد کو غربت کے سبب ہم تم کو بھی رزق دیتے ہیں۔ اور ان کو بھی اور بے حیائی کی باتوں کے قریب بھی نہ جاؤ۔ خواہ وہ علانیہ ہوں یا پوشیدہ)

مجمع البحوث الاسلامیہ (قاہرہ) کی دوسری اسلامی کانفرنس میں شرکت کے بعد مولانا مفتی محمود صاحب (قائد جمعیۃ العلماء اسلام) نے اپنے بیان میں یہ ایمان پرور انکشاف کیا کہ چالیس ممالک کی اس کانفرنس کے ایک سو مندوبین نے اسلام کے منافی رجحانات اور تحریفات کی بیخ کنی کے سلسلے میں متعدد اہم قراردادیں منظور کیں۔ ان تمام علماء نے متفقہ طور پر اس حقیقت کی وضاحت کی کہ زکوٰۃ محض ایک عبادت ہے۔ اسے ٹیکس قرار دینا یا اس کی شرح میں ترمیم کرنا اسلام کے قطعاً منافی ہے۔ بنک کا سود خواہ کم ہو (مفرد) یا مرکب (سود در سود) دونوں حالتوں میں حرام ہے۔ کانفرنس نے از روئے اسلام ایک سے زائد بیویاں رکھنے (تعدد ازدواج) کو بھی جائز قرار دیا۔ اور یہ کہ کوئی حکومت اس شرعی اجازت کے ہوتے ہوئے مسلمانوں کے پرسنل لاء میں دخیل نہیں ہو سکتی"۔

گو یہ تمام امور از روئے قرآن و سنت پہلے سے طے شدہ ہیں۔ مگر عالم اسلام کے ممتاز علماء کے ان توثیقی اور اجماعی "قراردادوں سے ان تجدد پسندوں کی حوصلہ شکنی اور مایوسی مزید ہو گی جو اپنے ملحدانہ عزائم کی بناء پر اسلام کو مشقِ تحریف و تلبیس بنانا چاہتے ہیں، اور ان ذلیل مقاصد کیلئے نفسِ اسلام کے نئے نئے فتنے کھڑے کر رہے ہیں۔ ان فیصلوں سے یہ خوش آیند نتیجہ بھی نکلتا ہے۔ کہ بحمد اللہ عالم اسلام کے تمام علماء حق (زمین کے جس حصہ سے بھی تعلق رکھتے ہوں۔) دین کے بارہ میں زمانہ اور حالات سے متاثر نہیں ہوئے، ان کے نزدیک اسلامی اقدار اٹل ہیں۔ حالات کو بدلنا چاہئے، اسلام کو نہیں۔ ان قراردادوں کا دوسرا مفید رخ یہ ہے کہ ہمارے ہاں کے مغرب زدہ حلقے بسا اوقات اپنے غلط نظریات و تحریفات کیلئے علمائے مصر و ازہر کے اقوال کا غلط سہارا لیتے ہیں۔ ان قراردادوں نے ان کا یہ غلط سہارا بھی چھین لیا ہے۔ کہ ایسے غلط اقوال اور فتوے بعض ٹیڑھے اذہان اور گمراہ قلوب کی پیداوار ہوتے ہیں، متبحر اور جمہور علماء کے نہیں اور غلط بات کیلئے جہاں سے بھی استدلال ہو، اسے غلط ہی کہا جائے گا۔ مجمع البحوث کی ان مومنانہ قراردادوں کی منظوری پر ہم تمام مندوبین کو عموماً اور پاکستانی وفد کے ارکان حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہ و حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہ کو خاص طور سے مبارکباد پیش کرتے ہیں کہ ان کے مساعی کا ان قراردادوں میں خاص حصہ ہے۔

پشاور یونیورسٹی کے وائس چانسلر چوہدری محمد علی صاحب کا یہ بیان پوری قوم کو چونکا دینے والا ہے کہ اس مرتبہ یونیورسٹی کے ٹیچر ٹریننگ سنٹر میں داخلہ لینے کے لئے جتنے مرد اور خاتون امیدوار آئے، ان میں سے ایک کو بھی قرآن مجید کا پڑھنا نہیں آتا تھا۔ ان میں سے بعض نے اپنے والدین کو بھی قصور وار ٹھہرایا، جنہوں نے انہیں اسلامی مبادیات اور قرآن مجید کی تعلیم سے کورا رکھا۔

اگر مسلمانوں میں کچھ بھی جذبۂ ملی باقی ہے تو دل ہلانے والی یہ خبر لاولیٰ کے تدارک اور تلافی کے لئے کافی ہے۔ اور یہ حالت تو قوم کے اس طبقہ (طلبہ) کی ہے جنہیں مستقبل میں ایک اسلامی ریاست پاکستان کی باگ ڈور سنبھالنی ہے۔ اور جو ثانوی تعلیم گاہوں (ہائی اور مڈل سکولوں) کے تمام مراحل سے گذر کر تعلیمی فرائض معلمی اور ٹیچنگ کی امیدوار ہے۔ مذہب سے یہ مجرمانہ غفلت جہاں بچوں کے سرپرستوں اور پوری قوم کی دین سے عمومی بیزاری کی دلیل ہے، وہاں یہ حقیقت بھی ظاہر ہوتی ہے کہ اس خرابی کا بنیادی سبب وہ ناقص اور مذہب بیزار نصابِ تعلیم ہے، جو ہماری عصری تعلیم گاہوں میں رائج ہے اور جس میں زندگی کے بارہ تیرہ سال کھپانے کے بعد بھی قوم کے نونہال اپنی بنیادی کتاب قرآنِ مجید کے ناظرہ تک پڑھنے پر قادر نہیں ہو سکتے۔ چوہدری صاحب کا یہ انکشاف اس حقیقت کا غماز ہے کہ نصاب میں " لازمی دینیات " کے نعرے محض وزنِ بیت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ چوہدری صاحب کا یہ بیان پوری قوم کے لئے لمحۂ فکریہ ہے۔

حج کے بارہ میں صدارتی کابینہ کا تازہ فیصلہ لائقِ تحسین و تبریک ہے۔ جس کی رو سے اس سال زیادہ (ساڑھے ۱۶ ہزار) افراد کو فریضۂ حج و زیارت کی ادائیگی نصیب ہوگی۔ اس جزئی مسرت کے باوجود پھر بھی اربابِ حل و عقد سے ہماری مخلصانہ گذارش ہے کہ حج دین کا ایک اساسی ستون اور فریضہ ہے، جسے اقتصادی اغراض اور مصالح کے بھینٹ نہیں چڑھایا جا سکتا۔ پاکستان اور مسلمانوں کے دینی، روحانی اور ۔۔۔ اسی مفادات کا تقاضا ہے کہ اس فریضہ کو بھی دیگر عبادات کی طرح ہر قسم کی رکاوٹوں اور پابندیوں سے کلی طور پر آزاد رکھا جائے۔ تاکہ تمام اصحاب استطاعت اپنا فریضۂ عبادت ادا کر سکیں ۔۔۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق

امتِ مسلمہ کا امتیازی وصف

دعوت اور بندگی

(خطبہ جمعۃ المبارک ۲۴ صفر ۱۳۸۵ھ ۲۵ جون ۱۹۶۵ء)

—— از ارشادات حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ ——

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر۔ الآیۃ

تم بہتر امت ہو لوگوں کی ہدایت کیلئے بھیجے گئے ہو تاکہ بھلائی کی باتوں کا حکم دو اور برائی سے لوگوں کو روکتے ہو۔

بھائیو! ملک کا صدر جس بنگلہ میں رہتا ہو تو اس کا خادم خاص بھی ہو! سے پنکھا جھلاتا ہے، جوتے اٹھائے ساتھ ہی رہتا ہے۔ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سب سے اوّل جنت کا دروازہ میرے لئے کھولا جائے گا۔ اور پہلی امت میری ہی امت ہو گی جو جنت میں داخل ہو گی۔ تو سید الکائنات علیہ السلام کے غلام امتی بھی ان کے ساتھ ہی ہوں گے۔ بعض دفعہ غلام خدمت اور راستہ کی بھیڑ ہٹانے اور اطلاع دینے کے لئے آگے آگے چلتا ہے، تو ایسے غلام بھی ہوں گے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے آگے جائیں گے۔ چنانچہ حضرت بلالؓ کو حضورؐ نے بشارت دی، کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ جنت میں تیرے قدموں کی چاپ میرے آگے آگے سنائی دے رہی ہے —— اور انبیاء علیہ السلام کا خواب بھی وحی ہے —— تو یہ ایک بڑا احسان ہے، خداوند کریم کا ہم پر کنتم خیر امۃ اخرجت للناس .....

یہ وہ تاج و تخت اور وہ دولت ہے جس سے غلامان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نوازا گیا ہے۔ کہ تمام عمر اس کا شکر یہ اللہ جل مجدہ کے سامنے ادا کریں تب بھی قاصر ہیں۔ اس امت کے بہتر اور افضل ہونے کی وجہ آخر کیا ہے ؟ کیا اس وجہ سے کہ اس کے پاس بہت بڑی

دولت اور جائداد ہے ؟ صنعت و حرفت اور کارخانوں کی مالک ہے ؟ سلطنت اس کے ہاتھوں میں ہے ۔؟ آخر کونسی وجہ ہے اسکی فضیلت کی ۔؟

بھائیو! غلام وہ ہوتا ہے ۔ جو آقا کے اشارے پر چلے اس کا حکم ماننے اس کے رنگ میں پورا رنگ ہو جائے ۔۔۔ ایک صاحب نے بازار سے غلام خریدا ، گھر آکر نام پوچھا ، کہا جو آپ کو پسند ہو ، کہا کام کیا کرو گے ؟ کہا حضور جو آپ کا حکم ہو وہی کروں گا ۔ کہا کیا پہنو گے اور کیا کھاؤ گے ؟ کہا صاحب جو آپ دیں گے ۔ مالک کو غصہ آیا کہ جواب سیدھا دیتا ہی نہیں ۔۔۔ غلام نے کہا صاحب غلام کا کیا حق ہے کہ وہ اپنی خواہشیں اور تمنائیں آقا کے سامنے پیش کرے ۔ اس کی خواہش تو وہی ہونی چاہیئے جو آقا کی مرضی ہو ، ورنہ وہ تو غلام ہو نہیں سکتا ۔ مالک کو اس جواب سے نصیحت ہوئی ۔ اور رونے لگا ، کہ اسے غلام تم نے تو مجھے اتنی بڑی نصیحت دی کہ اپنے آقا اور مولیٰ اللہ تعالیٰ کے ساتھ میرا تعلق استوار کر دیا ۔ تم تو چند روپیہ کے عوض خریدے گئے ، غلام اور خادم ہو مگر میں تو حقیقی معنوں میں اپنے رب کا محکوم اور غلام ہوں ہم سب اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں ۔ وہی ہمارا خالق و مالک ہے ۔ اور جب تم نے یہ کہا کہ غلام کا آقا کے سامنے کیا مجال کہ اپنی خواہش پیش کرے ۔ تو مجھے اپنے حال پر رونا آیا کہ میری تو زندگی برباد ہوئی ، کہ تمام عمر اپنے مالک کی مرضی اور خواہش کے خلاف چلتا رہا ۔ اگر وہ چاہے کہ ہم بیمار ہوں تو اس پر خوشی اور اگر صحت چاہے تو اس پر خوشی کرنی چاہیئے ۔ وہ کھانے کا حکم دیں تو فوراً کھانا چاہیئے ۔ مثلاً روزہ کے افطار کے وقت تعجیل مستحب ہے ۔ اور اگر وہ امساک کا حکم دیں مثلاً رمضان کے دنوں میں تو باوجود خواہش و بھوک کے نہ کھائیں نہ پیئیں ہم ایسے غلام ہیں کہ مالک نے حکم دیا کہ نماز پڑھو ہم تارک ہیں ، مالک نے حکم دیا کہ حرام اور رشوت و سود سے مجتنب رہو تو ہم حرام کی طرف دوڑے ۔۔۔ کیا یہ عبدیت ہے ۔۔۔ یہ اسلام ہے ۔؟ قیاسی

شاہ دولہؒ ایک صوفی گزرے ہیں ۔ بڑے مجذوب اور بزرگ تھے : لوگ آئے اور کہا کہ صاحب دریا چڑھ آیا ہے ۔ گاؤں ڈوب رہا ہے ۔ کہا ابھی تک ڈوبا نہیں ہے ؟ بیلچہ ، کدال اٹھائی اور دریا کا رخ اور بھی گاؤں کی طرف سیدھا کرنے اور بند توڑنے لگا ۔۔۔ لوگوں نے کہا صاحب بجائے دعا کے تم نے یہ کیا کام شروع کر دیا ۔ کہ گاؤں جلد ڈوب جائے ، تم ہوش میں ہو یا بیہوش ہو ۔؟ کہا " جہاں مولیٰ وہاں شاہ دولہ " یعنی جہاں مرضی مالک ہے ، وہاں غلام کی خوشی ۔۔۔ یہ کیا بندگی اور غلامی ہے ، کہ آقا کہے بے حیائی مت کرو ۔ یہ

کہتا ہے کہ اس کے بغیر مہذب دنیا میں گذر نہیں ہو سکتا۔ آقا کہے فلاں امور سے اجتناب کرو۔ یہ کہے کہ اس کے بغیر ہم ترقی نہیں کر سکتے۔ یہ تو غلامی نہیں مذاق ہے۔ نصیحت کے لئے تو غلام کا ایک جملہ کافی ہے، جو اوپر بیان ہوا جس سے مالک کو عبرت ہوئی اور اسکی زندگی سدھر گئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ کیا یا جو کچھ فرمایا اگر امتی نے اس پر عمل کیا تو کچھ تعلق اور نسبت اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ اور اگر اس کا کھانا پینا حضورؐ کی سنت کے خلاف ہو۔ حضورؐ کی حکومت اور طرح اور ہماری اور طرح، تو امتی ہونے کا یہ دعویٰ غلط ہے۔ پھر ایسی امت خیر امت نہیں بلکہ "شر امۃ" ہے۔ یہ امت اونچے مقام پر ہے اور جب اونچے مینار سے کوئی گرتا ہے تو ساری ہڈیاں چور چور ہو جاتی ہیں۔ یرفع اللہ الذین امنوا والذین اوتوا العلم درجات۔ (اللہ تعالیٰ مومنین کی شان بڑھاتا ہے۔ اور جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے۔ ان کے لئے بڑے مراتب اور درجات ہیں۔)

اگر کوئی زمین پر کھڑا ہو اور گر جائے تو معمولی چوٹ آئے گی ــــــــ

آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا چین، جاپان، امریکہ، روس اور عرب و عجم سب کے لئے داعی اور بشیر و نذیر ہیں۔ وما ارسلنٰک الا کافۃ للناس بشیرا و نذیرا۔ (ہم نے تمہیں تمام لوگوں کے لئے بھیجا رسول بنا کر بشارت سنانے والا اور ڈرانے والا۔)

آقا تو دنیا بھر کے لئے داعی ہوں، شرقاً غرباً شمالاً جنوباً تمام مخلوق کو اسلام پہنچانے کی کوشش کریں۔ اور امتی کو گھر کی بھی خبر نہ ہو۔ خواب و خیال میں بھی نہیں گزرتا کہ بیوی بچے صحیح معنوں میں مسلمان نہیں۔ سنت کے مطابق زندگی بسر ہو۔ بلکہ بچے مال و دولت حرام سہی کما کر لائیں یہی ہماری خواہشات

حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضورؐ کے عاشق تھے۔ اور ہر صحابی اپنی جگہ آفتاب و ماہتاب ہے۔ خیبر کی لڑائی میں ان کی آنکھیں بیمار ہیں، دیکھنے کی ہمت نہ تھی، چہ جائیکہ جنگ اور جہاد کر سکیں۔ مگر خیال آیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو سخت گرمی اور دھوپ میں پھر عرب کے تپتے ریگستان میں ۶۳ سال عمر کے قریب کلمۃ اللہ پہنچانے کے لئے جہاد کریں۔ اور ان کا امتی گھر میں پڑا رہے، یہ کب ممکن ہے؟ ــــــــ اسی حال میں مدینہ سے روانہ ہوئے، کہ جتنا ہو سکے اتنی خدمت تو کروں گا۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔ (جن لوگوں نے میری راہ میں کوشش کی میں ان کو اپنی راہیں بتلا دوں گا۔) ــــــــ اللہ تعالیٰ امتحان لیا کرتے ہیں، ادھر

حضرت علیؓ نے بیماری کی حالت میں ہمت کی ادھر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مہربانی متوجہ ہوئی کہ فتح خیبر کی عزت خدا نے انہیں دی حضورؐ نے کل کے دن کے لئے بشارت دی کہ جھنڈا اس شخص کو دوں گا جو اللہ اور رسولؐ کا عاشق ہے۔ اللہ اور اس کا رسولؐ اس سے محبت کرتے ہیں۔
یحب اللہ ورسولہٗ ویحبہٗ اللہ ورسولہٗ۔۔۔

سب ہی اس بشارت کے مصداق ہونے کی امید میں ہیں۔ دوسرے دن حضورؐ نے حضرت علیؓ کے بارہ میں دریافت کیا، معلوم ہوا کہ وہ بوجہ بیماری مدینہ سے نہیں آسکے، پھر کسی نے کہا کہ حضورؐ وہ آچکے ہیں۔ حضورؐ نے انہیں اپنے پاس بلایا۔ اپنے ران مبارک پر ان کا سر رکھا اور دہن مبارک کے لعاب کو ان کی آنکھوں پہ لگایا۔ سید الکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب تھا، فوراً شفایاب ہوئے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں، کہ اس کے بعد پھر کبھی مجھے آنکھوں کی تکلیف نہیں ہوئی۔ حضورؐ نے جھنڈا انہیں دیا۔ بڑے خوش ہوئے، اور کہا کہ اللہ نے مجھ پر بڑا فضل کیا۔ اب جب تک سارے یہودی ختم نہ کر ڈالوں یہ تلوار نیام میں نہیں ڈالوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ایسا نہ کرو، بلکہ پہلے لوگوں کو اسلام کی دعوت دو۔ قولوا لا الٰہ الا اللہ۔ کہ سوائے ذاتِ خداوندی کے کوئی لائق عبادت نہیں نہ اس کے سوا کوئی مالک بادشاہ نافع وضار ہے نہ کوئی سوائے اس کے کمالات کا مالک ہے۔ یہ سب خوبیاں اسی ذات وحدہٗ لاشریک لہٗ کی ہیں۔ فرمایا کہ اے علیؓ اگر یہ تمام دنیا سُرخ اونٹوں سے بھر جائے اور یہ تیری ملکیت میں آجائیں تو وہ اتنی خوشی کی بات نہیں جتنی کہ تیری دعوت سے ایک شخص کے اسلام قبول کرنے میں خوشی ہے کہ وہ بھی جنت گیا اور تم بھی جنت گئے۔ لوگوں کا تعلق مولیٰ سے پیدا کردے۔ کہ حضور اقدسؐ کی آمد کا مقصد یہی تھا۔ حضور اقدسؐ نے اپنے عمل سے ہر موقع پہ یہی سکھایا۔ سید الشہداء حضرت حمزہؓ حضورؐ کے چچا جنگ احد میں وحشی کے ہاتھوں شہید ہوئے مالک نے وحشی کو لالچ دی تھی کہ حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تو آزاد کرا دوں گا۔ چنانچہ اس نے حضورؐ کے چچا اسد من اسد اللہ سیدنا حضرت حمزہؓ کو ناف کے نیچے نیزہ مار کر شہید کیا۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے ان کا جگر چبایا۔ کفار نے ان کے اعضاء رئیسہ کاٹ کر گلے کا ہار بنایا۔ حضرت حمزہؓ کا قاتل وحشی چند سال بعد حضورؐ کے سامنے آیا، یہی ہندہ حضورؐ کے سامنے آئی، صحابہؓ کا خون جوش مارنے لگا کہ اس شخص نے حضرت حمزہؓ حضورؐ کے محبوب چچا کو شہید کیا ہے، مگر پاس ادب سے خاموش تھے۔ ورنہ ہر ایک کی خواہش تھی کہ اشارہ ہو تو اس کی گردن کاٹ دی جائے۔ حضورؐ سے اجازت

طلب کی کہ اس شخص نے ظالمانہ طریق پر آپ کے چچا کو شہید کیا، تو اس کا کام تمام کر دیں۔ حضور اقدسؐ نے فرمایا کہ ایک کافر کا کلمہ شہادت کہہ کر اسلام قبول کرنا تمام دنیا کے کافروں کے مار ڈالنے سے زیادہ قیمتی ہے۔ اور اگر وحشی یا ہندہ کلمہ پڑھ لیں، تو سارے زمین کے کافروں کے قتل میں اتنا ثواب نہیں جتنا ان کے مسلمان ہونے میں ہے ـــــ حضور اقدسؐ نے اپنے عمل سے درس دیا کہ تمہارا فریضہ کیا ہے۔ آج ہماری حس بالکل مرچکی ہے۔ مسلمانوں کی بدقسمتی ہے۔ دنیا کی قومیں مال و دولت لگاتی ہیں کہ یہ رسمی اور نسبی مسلمان بھی نہ رہیں۔ اور ان کا مذہب قبول کر لیں۔ کفار کو اندازہ ہے۔ کہ ایک کلمہ گو کا کتنا وزن ہے۔ آج عیسائی مشنریوں والے ہمارے ختم ہونے کے درپے ہیں۔ مگر ہم اپنی جہالت سے نہیں سمجھتے وہ تمہارے گھروں میں آکر تمہارے اوپر خرچ کرتے ہیں، موٹروں اور جہازوں میں سیر کراتے ہیں۔ عورتوں میں کام کر رہے ہیں کہ انہیں مرتد بنایا جائے۔ قطع نظر اس کے کہ غیرت اور حیا کہاں گئی؟ مسلمان مرد یا عورت عیسائی ہو جائے تو ہم حضورؐ کو کیا جواب دیں گے۔؟ خدا تم سے یہ پوچھے گا کہ اسلام کی کیا خدمت کی، کتنی دولت اسلام کی راہ میں خرچ کی اسلام کی کتنی تعلیم اور تبلیغ کی حضرت عمرؓ امیر المومنین بستر مرگ پر ہیں۔ مدینہ میں صدمہ کی وجہ سے کہرام برپا ہے۔ ایک نوجوان آپ کے سامنے کھڑا ہے، اور رو رہا ہے۔ حضرت عمرؓ نے آواز دی بھائی دیکھو تمہارے پائنچے ٹخنوں سے نیچے لٹک رہے ہیں اور یہ مکروہ ہے۔ ایسا نہ کرو۔ (فقہاء نے لکھا ہے۔ کہ اس حالت میں نماز پڑھے تو مکروہ تحریمی ہے۔) کپڑا اونچا ہو تو خراب بھی نہ ہوگا اور خدا بھی راضی ہوگا۔ یہ متکبرین کا شعار ہے۔ پھر انتقال فرما گئے۔ مسلمانوں کے امیر المومنین بستر موت پر بھی ایک چھوٹی سی بات کی تعلیم دے رہے ہیں۔ امر بالمعروف اس امت کا شیوہ ہے۔ یہ دین خدا کی امانت ہے۔ ہماری خوبی اور کامیابی اسی میں ہے کہ اسے لوگوں تک پہنچا دیں۔ حسن اتفاق سے آج ایک وفد تبلیغی جماعت کا یہاں آیا ہے۔ یہ وہ مخلص جماعت ہے کہ صحابہؓ کی یاد ان لوگوں سے تازہ ہو رہی ہے۔ ان میں ضعیف اور بوڑھے بھی ہیں مگر مشرقی پاکستان سے یہاں تک پیدل سفر کر چکے ہیں دین کیلئے ان لوگوں کی اس تڑپ اور ولولے کا نمونہ سلف صالحین اور صحابہؓ کے دور میں پایا جاتا ہے۔ حضرت شفیق بلخیؒ فرماتے ہیں کہ میں مکہ معظمہ جا رہا تھا، ایک لنگڑا اپاہج اور مفلوج شخص دیکھا کہ بدن گھسیٹتا جا رہا ہے۔ میں نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے۔؟ کہا اللہ کے گھر کی طرف جا رہا ہوں اور دس سال سے اسی حال میں آرہا ہوں، حضرت شفیق بڑے متحیر ہوئے اور اس کی ہمت پر تعجب کرنے لگے۔ اس شخص

باقی صـ۵۹ پر

فلسفۂ معراجِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام

—— از ارشادات حضرت علامہ شمس الحق افغانی مدظلہٗ ——

ماہِ رجب میں معراج کا واقعہ پیش آیا، اس مناسبت سے ہم حضرت علامہ افغانی کی ایک تقریر پیش کر رہے ہیں، جو انہوں نے بہاولپور کی "مسجد الصادق" میں ۳ رشعبان ۱۳۸۳ھ مطابق ۲۰ ستمبر ۱۹۶۵ء کو ارشاد فرمائی اور جسے اس وقت مولوی حافظ انوار الحق حقانی نے قلمبند کیا۔ "ادارہ"

سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہٗ لنریہٗ من آیٰتنا انہ ھو السمیع البصیر۔

ترجمہ: پاک ذات ہے، جو لے گیا اپنے بندہ کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کو گھیر رکھا ہے ہماری برکت نے تاکہ دکھلائیں اسکو کچھ اپنی قدرت کے نمونے۔ وہی ہے سننے والا دیکھنے والا۔ (ترجمہ شیخ الہند)

برادرانِ اسلام! مجھے معراج کے متعلق بیان کرنا ہے۔ صرف تین باتیں ہیں:۔
۱۔ کیفیتِ معراج۔ ۲۔ نتائج معراج۔ ۳۔ معقولیت معراج۔ معراج سے مسلمانوں کی زندگی پر کیا اثر پڑا۔

پندرہ شعبان کی فضیلت

عجیب بات یہ ہے، کہ میرا بیان بھی ماہ شعبان میں ہے۔ اور اس مہینہ کو بھی اسلام سے زیادہ تعلق ہے۔ خاصکر پندرہ شعبان کا دن اور رات بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ امام زید سے نسائی میں روایت ہے کہ حضورؐ سے پوچھا گیا کہ آپ تمام مہینوں سے زیادہ روزے شعبان میں رکھتے ہیں، اسکی وجہ کیا ہے؟ فرمایا "شعبان ایک مہینہ ہے کہ عام لوگ اس سے غافل ہیں۔ اور وہ رجب اور رمضان کے درمیان

ہے۔ فیما ترفع اعمال العباد الی رب العلمین اس میں بندوں کے اعمال رب العالمین کی طرف اٹھائے جاتے ہیں۔ عباد کا لفظ عام ہے۔ اس میں انبیاء، صحابہ، اولیا، صلحاء نیک اور بُرے سب شامل ہیں۔ فانی اُحب ان یرفع عملی وانا صائم ۔ پس میں چاہتا ہوں کہ میرا عمل میرے روزہ دار ہونے کا حال میں پیش ہو۔ حضورؐ جیسے معصوم ذات کو عمل کے پیش کرنے کے سلسلے میں خطرہ تھا، باوجود اس کے کہ آپ گناہ سے پاک تھے ہم کو تو کچھ پرواہ ہی نہیں۔

آگے ارشاد فرمایا ہے، کہ اس مہینہ میں اللہ کی خاص نظر رہتی ہے، ویسے تو ہر وقت اللہ کی نظر کرم رہتی ہے۔ فیما اعتقاء من النار۔ بہت سے لوگوں کے نام دوزخ کی فہرست سے کاٹ کر جنت میں داخل کردئے جاتے ہیں۔ دس کروڑ دنیاوی پھانسیوں سے بھی جہنم کا ایک لمحہ زیادہ تلخ ہے۔ اکثر من شعر غنم بنی کلب۔ بنی کلب بہت بھیڑ بکریاں رکھتے تھے، یعنی ان کی بھیڑ بکریوں کے بالوں سے بھی زیادہ بخشے جائیں گے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس رات اللہ تعالیٰ کی خاص توجہ رہتی ہے۔ خاصکر دوزخ سے نجات اور مجرمین کی بخشش کا اعلان عام ہوتا ہے۔

ایک بزرگ کا مقولہ ہے جسطرح دنیا میں بازار تجارت اور میلے لگتے ہیں، ان میں جو چیزیں لوگ پسند کریں خریدتے ہیں۔ اللہ کے ہاں بھی تجارت آخرت کا بازار لگتا ہے۔ اور ایک بڑا بازار رمضان میں لگتا ہے۔ اور وہ آرہا ہے۔ جو نیک عمل رمضان کے بغیر ایک روپے میں بکتا ہے۔ رمضان شریف میں ستر گنا زیادہ قیمت سے بکے گا۔ اور ایک چھوٹا بازار شب برات یعنی پندرہ شعبان ہے۔ آج اگر کوئی کہے کہ فلاں بادشاہ یا وزیر کی نظر عنایت مجھ پر پڑی تو وہ کتنا فخر کرتا ہے۔ اور اگر خالق حقیقی کی نظر کسی پر پڑے تو وہ کتنا بڑا فخر ہے۔

ابن ماجہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے اسی رات کے متعلق کچھ نوافل اور اعمال بھی بیان کئے ہیں۔ چنانچہ حضورؐ کا ارشاد ہے۔ قوموا لیلھا وصوموا نھارھا۔ اس رات کو عبادت کرو۔ اور دن کو روزہ رکھو۔ چودہ شعبان کو جب سورج ڈوب جائے شب برات شروع ہے اور آنے والا دن شب برات کا دن ہے۔ تو تمام رات عبادت کرو۔

شارحین لکھتے ہیں، کہ عبادت میں نماز، تلاوت قرآن، نفل، ذکر، شب شامل ہے۔ اس رات میں حلوے، میٹھے چاول کا کہیں ذکر نہیں۔ یہ اپنی طرف سے بدعات ہیں۔ اس رات کھاؤ پیو جیسے ہمیشہ کھاتے ہو۔ آج ہم لوگوں نے معراج سے بھی صرف ایک ڈے (DAY)

بنایا ہوا ہے۔ جیسے انگریز کوئی ڈے مناتے ہیں۔

معراج کی ابتدائے مکانی

پہلے دو باتیں بیان کروں گا، اولاً معراج کی ابتدائے مکانی یعنی حضورؐ کا یہ عظیم الشان سفر کہاں سے شروع ہوا بعض احادیث میں آیا کہ شعب ابی طالب[1] سے معراج شروع ہوا — ایک روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ کی بہن ام ہانیؓ کے مکان سے شروع ہوا۔ بخاری و ترمذی شریف میں آیا ہے کہ بیت اللہ کے حطیم سے یہ سفر شروع ہوا۔ قرآن مجید نے صرف اتنا کہا کہ من المسجد الحرام (مسجد حرام سے)۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ تینوں روایات ٹھیک ہیں۔ ام ہانیؓ کے گھر سے حضورؐ کو حطیم پہنچایا گیا اور وہ گھر شعب ابی طالب میں واقع تھا۔ تو وہ روایت بھی ٹھیک ہے۔ لیکن سبحان اللہ اللہ تعالیٰ نے ان مقامات یعنی ام ہانیؓ کا مکان اور شعب ابی طالب کا ذکر نہ فرمایا۔ کیونکہ اصل سفر کا آغاز مسجد حرام سے ہوا۔ گویا یہ ابتدائے مکانی ہے۔

ابتدائے زمانی

ابتدائے زمانی کے متعلق کہتے ہیں۔ کہ حضورؐ کے ہجرت سے دس سال پہلے بعض کہتے ہیں، چھ سال پہلے بعض کہتے ہیں کہ پانچ سال پہلے، بعض کہتے ہیں کہ پانچ مہینے پہلے یہ سفر ہوا۔ لیکن مختار قول یہ ہے کہ ایک سال پہلے ہوا۔ اسکی تاریخ میں صحابہؓ کا اختلاف ہوا۔ حج اور صوم وغیرہ میں اختلاف نہیں۔ کیونکہ صحابہ کا مقصود ڈے منانا نہیں تھا۔ حج اور صوم عملی کام تھے، اس لئے اس میں کوئی اختلاف نہیں، سب متفق ہیں۔ بخلاف شب برات، اور تاریخ معراج کے۔ صحابہ عمل کی چیزوں کو یاد رکھتے تھے۔ رسمیات کو یاد نہ رکھتے تھے۔ دوسرا اختلاف اس میں ہے۔ کہ کون سے مہینہ میں ہوا۔ بعض کہتے ہیں، کہ ربیع الاوّل میں، بعض کے نزدیک ربیع الثانی اور بعض کے نزدیک رجب میں یہ سفر ہوا۔ یہاں پر اختلاف نقل کرنے کا مذکورہ مطلب ہے — پھر رات میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں پیر کی رات تھی اور بعض کہتے ہیں سنیچر کی رات تھی اور بعض کہتے ہیں جمعرات کی رات تھی۔ لیکن مرجوح قول یہ ہے کہ پیر کی رات تھی۔ پیر کے دن حضورؐ پیدا ہوئے اور پیر کو فوت بھی ہوئے۔ اور پیر کو ہجرت بھی ہوئی۔

کیفیتِ معراج

سفر معراج کے چار حصے ہیں۔ ایک حصہ بیت الحرام سے لیکر مسجد اقصیٰ تک۔ یہ زمینی سفر ہے۔ اس کو میں "سفر ارضی" کہتا ہوں۔ اور مسجد اقصیٰ

---

[1] مکہ مکرمہ کی ایک گھاٹی جس میں حضورؐ بنی ہاشم سمیت تین سال تک محصور رہے۔

سے سدرۃ المنتہیٰ تک سفر سماوی ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ ساتویں آسمان میں ہے۔ انسانوں کے متعلق جو فیصلے ہوتے ہیں۔ وہی احکام ادھر سے جاری ہوتے ہیں۔ کینڈی کو کب مارنا ہے۔؟ خروشیف کب مرے گا۔؟ یعنی اللہ کی طرف سے بڑا دفتر ہے۔

تیسرا سفر سدرۃ المنتہیٰ سے صریف الاقلام تک ہے۔ چوتھا سفر وہاں سے اوپر خداوند تعالیٰ سے کی ملاقات واحکام خداوندی اور قرب الٰہی کا

پہلے حضورؐ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ منتقل کیا گیا۔ تاکہ معلوم ہو کہ یہ دنیوی سفر نہیں بلکہ دینی سفر ہے۔ اس لئے مبارک جگہوں کو پہنچایا گیا۔ مسجد حرام میں ایک رکعت پڑھنا اور جگہوں میں ایک لاکھ رکعت پڑھنے کے برابر ہے۔ اور مسجد اقصیٰ میں ایک نماز پڑھنے کا ثواب ایک قول کے مطابق ایک ہزار اور دوسرے قول کے مطابق پانچ سو نمازوں کے برابر ہے۔ تو ایسے مقدس مقامات سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر شروع ہوا۔ مقدس ذات کو مقدس جگہ سے مقدس مقام پر منتقل کر دیا ـــــ حضورؐ فرماتے ہیں۔ کہ جبرائیل علیہ السلام آئے اور میرا سینہ چاک کر دیا، اس سے پہلے بھی کئی دفعہ حضورؐ کا شق صدر ہوا، اور محققین کہتے ہیں کہ پچھلے تمام شق صدر کا مقصد معراج کی تیاری تھی۔ حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ لکھتے ہیں۔ کہ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سفر براق پر ہوا اور مسجد اقصیٰ سے صریف الاقلام تک نورانی سیڑھی پر۔

بیت المقدس میں ایک کڑا تھا، جہاں سابق انبیاء اپنے گھوڑے باندھتے تھے حضورؐ فرماتے ہیں کہ وہ کڑا خس وخاشاک سے بند ہو گیا تھا۔ جبرائیل نے انگلی ڈال کر کڑا خالی کر دیا۔ اور اس سے گھوڑا باندھ دیا۔ کہتے ہیں کہ صریف الاقلام سے آگے ایک سبز مخملی مسند لایا گیا۔ اور اس پر آپ تشریف فرما ہوئے۔ اور پھر مقام دنو اور تجلی کو پہنچے۔

معقولیت معراج یعنی معراج پر شبہات کا جواب

آج کل سائنس اور فلسفے کا زمانہ ہے، بعض فلسفہ پرست مسلمانوں پر اعتراض کرتے ہیں۔ کہ معراج کی کیفیت کیا ہے۔؟ تو نہ جاننے کی وجہ سے کہہ دیا جاتا ہے۔ کہ یہ ایک خواب تھا۔ اسکو میں شکست سمجھتا ہوں۔ چاہیئے یہ کہ اعتراض کو خوب سن کر شریعت کی رو سے جواب دیا جائے۔ دو سو سال پہلے اگر اس زمانے کے لوگوں کو کہا جاتا کہ جہاز بنے گا وہ لوہے کا بنا ہوا ہوگا اور کئی ٹن اسکا وزن ہوگا، وہ آسمان پر اڑے گا اور ہزاروں میل سفر گھنٹے میں طے کرے گا۔ تو وہ کہنے والوں کو ضرور پاگل کہہ دیتے

حالانکہ جہاز انجن وغیرہ انسانی کمالات ہیں۔ جب انسانی عجائبات پر دماغ کا احاطہ نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ خدائی عجائبات اور کائنات کے مقابلہ میں اسکی نسبت سمندر اور قطرہ کی نسبت سے بھی کم ہے، تو اللہ تعالیٰ کے عجائبات قدرت کو انسان کا دماغ کس طرح سما سکتا ہے۔

موجودہ سائینس والے معترف ہو گئے ہیں کہ چیونٹی بولتی ہے۔ پہلے جب سائیس دانوں نے سنا کہ وقالت نملة یا ایھا النمل ادخلوا مساکنکم الآیة۔ (اور لشکر سلیمانؑ کو دیکھ کر ایک چیونٹی نے اوروں سے کہا کہ اپنے اپنے بلوں میں گھس جاؤ) تو کہا کہ یہ صحیح نہیں، چیونٹی نہیں بول سکتی۔ بعد میں جب تجربوں سے ثابت ہوا تو معترف ہوئے کہ چیونٹی بول سکتی ہے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں اگر ایک چیونٹی کو کسی طرح آپ کہہ دیں کہ ایک جانور بیس من بوجھ اٹھا سکتا ہے اور وہ ہاتھی ہے۔ لیکن چیونٹی نے ہاتھی نہیں دیکھا نہ اسے اتنی طاقت کا اندازہ ہے۔ تو چیونٹی بآواز بلند کہے گی کہ جھوٹ ہے جھوٹ ہے۔ وہ فتویٰ دے گی کہ بیس من بوجھ اٹھانے کا خیال دقیانوسی اور ملّاپن ہے۔ یہی ہم لوگوں کا حال ہے، جو کام ہم سے نہ ہو سکے تو اپنی کمزوری کو برہان اور دلیل بنا کر سچے واقعات سے انکار کر دیتے ہیں۔ تو اللہ کی قدرت کے عجائبات سے ایک واقعہ معراج کا ہے۔

معراج کا زمینی سفر تو آجکل انسان بھی کر سکتا ہے۔ لیکن اللہ نے چاہا کہ معراج کو خواب و خیال سمجھنے والوں کی تردید ہو۔ تو سائنس سے تائید کرادی۔ معراج کی رات جب حضورؐ واپس ہوئے تو جبرائیلؑ سے پوچھا کہ یہ واقعہ لوگوں کو سناؤں یا نہیں ۔؟ جبرائیلؑ نے فرمایا سنا دیجئے۔ لوگوں کے انکار اور باتوں کی کچھ پرواہ نہ کرنا۔ صبح کافروں نے جب یہ بات سنی تو صدیق اکبرؓ کے پاس خوشی خوشی ہنستے مذاق کرتے ہوئے گئے۔ اور کہا کہ تمہارا دوست کہتا ہے کہ میں نے ساری رات آسمانوں اور عرش معلیٰ کی سیر کی۔ ابوبکر صدیقؓ نے کافروں کو فرمایا کہ کیا یقیناً یہ بات حضورؐ نے فرمائی ہے۔ کافروں نے کہا کہ قسم ہے کہ حضورؐ نے ایسا ہی فرمایا۔ ابوبکرؓ نے فرمایا کہ اگر حضورؐ نے فرمایا ہے تو خدا کی قسم جسطرح دو اور دو چار میں شک نہیں اس طرح اس میں بھی شک نہیں۔ پھر جب کافروں کو معراج کا یقین نہ آیا تو انہوں نے امتحان کی غرض سے حضورؐ کو کہا۔ کہ بیت المقدس کسطرح ہے ۔؟ حضورؐ سفر معراج کے علاوہ کبھی بیت المقدس نہیں گئے تھے۔ تو حضورؐ فرماتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے بیت المقدس کا نقشہ میرے سامنے رکھ دیا اور ایک ایک کر کے میں بیت المقدس کی نشانیاں ان کو بتاتا رہا۔ پھر حضورؐ نے ان کو یقین دلانے کیلئے

بتایا کہ تم لوگوں کا تجارتی قافلہ جو شام سے آرہا ہے۔ فلاں مقام پر میں نے دیکھا، جو بدھ کی رات کو پہنچے گا۔ قافلہ کے پہلے اونٹ کا رنگ خاکستری ہے۔ کافروں نے ڈھنڈورا پیٹا کہ آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بات معلوم کریں گے۔ تمام لوگ بدھ کی شام کو نکلے، ٹھیک شام کو قافلہ آپہنچا۔ پھر معترضین اعتراض کرتے ہیں کہ سفر لمبا اور وقت تھوڑا تھا، اور پھر ڈبل سفر بھی تھا یعنی آنا جانا۔ لیکن سوال یہ ہے۔ کہ تھوڑے وقت میں بڑا سفر تب نہیں ہوسکتا، اگر حرکت سفر کی زیادتی کے مطابق نہ ہو۔ مثلاً اگر آدمی پیدل لاہور جائے تو ایک دن میں بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اور اگر گاڑی یا موٹر سے جائے تو جلدی پہنچے گا۔ مطلب یہ ہے کہ وقت کا زیادہ لگنا حرکت کی سستی کی وجہ سے ہے۔ پھر سائنسدانوں نے اعتراف کیا ہے۔ کہ حرکت کی تیزی اور سرعت کی انتہا نہیں۔ مثلاً اگر آپ کہیں کہ ایک چیز کی رفتار ایک لاکھ میل فی منٹ ہے تو یہ بھی رفتار کا آخری مرکز اور انتہا نہیں۔ کیونکہ یہ مسافت آدھ منٹ اور پھر ½ منٹ میں بھی کاٹا جاسکتا ہے۔ تو اگر انسان اتنا سفر کرسکتا ہے تو کیا خداوند قدوس یہ نہیں کرسکتا کہ لاکھوں میل کا راستہ ایک منٹ میں طے کرائے۔

ڈاکٹر سینٹل جس نے سائنس میں کتاب لکھی ہے۔ لکھتے ہیں سورج (سائنس کے لحاظ سے) ۹ کروڑ میل دور ہے اور اسکی شعاع زمین تک ایک سیکنڈ میں پہنچتی ہے، یعنی منٹ کا ساٹھواں حصہ۔ اگر ایک سیکنڈ میں نو کروڑ میل کاٹنے کا اعتبار کیا جاسکتا ہے، تو معراج پر کیوں اعتراض ہے۔ زمین پر ہم اپنے اندر ثقل کیوں پاتے ہیں۔؟ ہمارے اندر ایک روح ہے۔ روح آسمان کی طرف سے آئی ہے۔ اور اوپر کو کھینچتی ہے، اگر انسان میں روح نہ ہو تو بدن کی تمام مشینری فیل ہوجائے۔ ایک شخص جب زندہ تھا، صدر بھی تھا، وزیر بھی تھا، سائنسدان اور وزیر بھی تھا جب روح نکل گئی تو سب کچھ ختم۔ چونکہ اکبر العالم محمد علیہ السلام وسلم ہیں۔ اسطرح اکبر الارواح بھی روح محمدی ہے۔ اللہ چونکہ حکیم ہیں، ان کا ارادہ تھا کہ انسان زمین پر رہے۔ جسم بوجھل ہے تو اللہ نے روح کو حکم دیا کہ جسم کی طاقت کے ساتھ ٹکر مت کھاؤ۔ روح آسمان سے آئی ہے، اور اوپر جانا چاہتی ہے۔ لیکن اللہ نے اوپر اڑنے سے روک دیا۔ یعنی روح کو مغلوب اور جسم کو غالب کردیا۔ آپ نے دیکھا ہوگا مشکیزہ اگر خالی ہو تو اس میں ہوا پھونکیں پھر اس کے منہ کو باندھیں تو لوگ اس پر دریا میں تیر سکتے ہیں۔ اس کو اگر آدمی سمندر کی تہ میں لے جائے اور دبائے رکھے تو وہ مشک نیچے اور سمندر کا لاکھوں من پانی اوپر رہے گا۔ لیکن اگر دباؤ ہٹ جائے تو وہ یکدم

لہ بعض سائنسدانوں کا خیال ہے کہ سورج اپنی غیر معمولی کشش سے زمین کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ مگر خدا نے ایک قوت مرکز ثقل کی وجہ سے زمین کو روک دیا ہے۔ اگر یہ گریز اور ثبات کسی لمحہ ختم ہوجائے تو زمین چھ ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سورج کیطرف کھینچتی چلی جائے گی ۔۱۲۰ (سمیع الحق)

اوپر آجائے گی۔ کیونکہ اس کا اصل مقام اوپر تھا۔ نیچے جبری طور پر اسے لایا گیا تھا۔ پھر اوپر بہت تیزی سے پہنچتی ہے، یہی حالت حضور اقدسؐ کے معراج اور پرواز کی تھی۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ مسلمانوں کا ملحدوں سے پالا پڑے گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے عالم اسباب کا لحاظ کرتے ہوئے اسباب کی شکل پیدا کر دی۔ آپ کو جو سواری پیش کر دی گئی، اس کی شکل براق کی سی تھی، بجلی میں اتنی چمک ہے۔ کہ جب مغرب میں چمکتی ہے تو مشرق میں بھی چمکتی ہے۔ تو یہ اگر اتنی تیز ہے تو کیا خداوند تعالیٰ یہ نہیں کر سکتا کہ قدرتی روشنی کو کس جانور میں متشکل کر دے۔ ضرور کر سکتا ہے۔

باقی رہی سیڑھیاں، جس کے ذریعے صریف الاقلام سے آگے گئے تو نیویارک، واشنگٹن پیرس وغیرہ میں بجلی کی سیڑھیاں ہیں، ایک مکان سے کئی مکان اوپر آناً فاناً پہنچ جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ ناقص العقل انسان کا کام ہے۔ اور خالق حقیقی جو تمام حکماء سے زیادہ حکیم ہے، وہ یہ نہیں کر سکتا کہ مسجد اقصیٰ سے صریف الاقلام تک سیڑھیاں پہنچائے۔ یقیناً کر سکتا ہے۔

انبیاء کرام کی زیارت

اب اپنے مقصد کیطرف آتا ہوں ــــــ پہلے آسمان میں حضورؐ کی ملاقات آدم علیہ السلام سے ہوئی۔ آدمؑ پر سال میں ایک دفعہ اپنی تمام اولاد کے نقشے پیش کئے جاتے ہیں۔ اور اس وقت بھی سالانہ دور تھا۔ اور اعمال کی شکلیں پیش ہونے والی تھیں۔ دائیں طرف نیک اور بائیں طرف بے دین ہوتے ہیں۔ حضورؐ نے دیکھا کہ جب آدمؑ دائیں طرف دیکھتے تو خوش ہو جاتے اور جب بائیں طرف دیکھتے تو روتے۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ دایاں ہاتھ اغلباً قوی اور بایاں ہاتھ کمزور ہوتا ہے۔ اس میں یہ اشارہ بھی موجود ہے۔ کہ مومن نے قوی جانب یعنی آخرت کو مضبوط کیا۔ اور کافروں نے کمزور جانب یعنی دنیا اختیار کر لی جو ویسے ہی مٹی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ بائیں طرف کافر اور دائیں طرف مومن ہیں۔ حضورؐ سے آدمؑ کا سلام و کلام ہوا۔ جبرائیلؑ نے کہا کہ یہ آپ کے والد ہیں، سلام فرمائیے، حضورؐ نے سلام کیا۔ دوسرے آسمان میں حضرت یحییٰؑ مثالی اور حضرت عیسیٰؑ عنصری صورت میں موجود تھے۔ سلام و کلام ہوا۔ اسی طرح چلتے چلتے ساتویں آسمان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام ملے۔ اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبروں کے بھی مقامات ہیں۔ وما منا الا لہ مقام معلوم۔ معلوم ہوا کہ آدمؑ کا درجہ اور نبیوں کے مقابل میں اوپر ہے۔ اس سے مقام محمدیؐ کا بھی اندازہ لگا کہ سب سے اوپر چلے گئے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ میں نے اوپر ایک گھر کو دیکھا جو کہ خانہ کعبہ کے بالکل خط مستقیم پر واقع تھا۔ فرشتے اس کا طواف کرتے رہے ہیں۔ ابراہیمؑ اس کے دیوار کو تکیہ فرمائے بیٹھے تھے۔ یہ

تھا سدرۃ المنتہیٰ کا سفر۔ پھر حضورؐ کا ارشاد ہے: فغشیتنی سحابۃ فخررت ساجداً۔ (انوار کی ایک بدلی نے مجھے ڈھانپ لیا۔ اور میں سجدہ میں گر پڑا۔) جبرائیل نے کہا آگے آپ اکیلے جائیں میں آگے نہیں جا سکتا۔ پھر آپ جنت گئے۔ سدرۃ المنتہیٰ کے قریب جنت ہے۔ حضورؐ فرماتے ہیں کہ جنت میں داخل ہوا۔ تو میں نے جھک کر مٹی اٹھائی تو وہ مشک وعنبر کیطرح مہک رہی تھی اور اس کے محل موتیوں اور جواہرات کے بنے ہوئے تھے۔ اس کے بعد دوزخ کا نقشہ پیش کیا گیا جو باغیوں کا ٹھکانا تھا۔

قرآن مجید میں بھی ارشاد ہے: عند سدرۃ المنتہیٰ عندھا جنۃ الماویٰ۔ پھر دوزخ کا نقشہ پیش کیا گیا۔ اس معائنہ کے بعد جیساکہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں، کہ حضورؐ سے روایت ہے کہ مجھے ایک ہموار میدان میں لایا گیا۔ جہاں قلموں کے چلنے کی آوازیں آ رہی تھیں، تو حضورؐ نے پوچھا یہ کیا ہے۔ کہا گیا کہ ایک سال کے متعلق جو فیصلے ہیں وہ نقل ہو رہے ہیں ـــــ تو وہ میدان بھی از حد بڑا ہوگا۔ اور وہ قلم بھی خاص شان کے قلم ہوں گے۔ دنیاوی قلموں کی طرح نہ ہوں گے۔ پھر ایک مخملی مسند لائی گئی، جس پر بیٹھ کر اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوئی۔ درمیان میں پردہ حائل تھا۔ بات چیت ہوئی۔ سب سے پہلے کہا گیا کہ پچاس نمازیں آپکی امت پر فرض ہیں۔ پھر حضورؐ کے کئی دفعہ آنے جانے کے بعد پینتالیس نمازیں معاف اور پانچ باقی رہ گئیں۔ اور خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ پانچ نمازیں پہلے سے تقدیر میں لکھی گئی تھیں، اور پچاس اس واسطے کہی گئیں کہ آپ کو پانچ کی قدر و منزلت معلوم ہو جائے۔ اگر پہلے سے پانچ کہتے تو پھر اتنی قدر نہ ہوتی، جتنی پچاس سے پانچ ہونے میں ہے۔ اس لئے حضورؐ کی حدیث ہے: الصلوٰۃ معراج المؤمنین۔ (نماز مومنین کی معراج ہے)

صلوٰۃ کی اہمیت تمام عبادات سے زیادہ ہے۔ کیونکہ اللہ نے خود حضورؐ کو صلوٰۃ کی عبادت عطا فرمائی۔ لیلۃ المعراج میں تمام احکام الٰہی اور امر و نواہی زمین پر ہی نازل کئے گئے۔ مگر نماز ہی ایک ایسی چیز ہے۔ جس کا حکم خدا نے اپنی زبان سے آسمان پر دیا۔ اس وجہ سے حضورؐ فرماتے ہیں ـــــ الصلوٰۃ معراج المؤمنین۔ اور تمام دین اسلام کی سیڑھی نماز ہی ہے۔ علماء کہتے ہیں کہ دوسری بات یہ ہوئی کہ سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ کے آخر کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے آپ کو وہ نعمت دی جو کہ کسی امت کو نہیں دی گئی۔ تیسری بات یہ ہوئی کہ انت آخر النبیین۔ (تم آخری نبی ہو) پھر نشان بھی کمر پہ آخر النبیؐ ہونے کا لگا دیا۔ کہ اگر کوئی اندھا نہ ہو اور با ہوش ہو تو

دیکھ سے کہ یقیناً آخر النبیؐ ہیں۔ اور اسی امت کو خیر الامۃ کا خطاب بھی دیا گیا، اس شرط پر کہ یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر ہوں۔

آیت کا ترجمہ

اب آیت شریف کا ترجمہ اور تفسیر کرتا ہوں۔ خدا تعالیٰ نے معراج کا واقعہ سبحان سے شروع کر دیا۔ یعنی اللہ ہر کمزوری سے پاک ہے۔ یہ حضورؐ کا اپنا فعل نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔ واقعہ معراج کو اللہ کی قوت سے تولنا چاہیئے۔ اسریٰ رات کے پہنچانے کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ آیت میں حضرت موسیٰ کو حکم ملا: فاسر باھلک بقطع من الیل۔ الآیۃ۔ بعبدہٖ (اپنے بندہ کو) رسولہ ونبیہٖ ومحمدہ اور باحمدہ نہ کہا۔

بعض لوگ محبوب کو نادانی کی وجہ سے خدا کے درجہ تک پہنچا دیتے ہیں۔ اور ایسے لوگ نادانی کی وجہ سے جہنم کا ایندھن بن جاتے ہیں۔ عبد روح اور جسم کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔ اس لئے خداوند تعالیٰ نے فرمایا محمدؐ عبد ہیں۔ ان کا کوئی کمال نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا فیض ہے۔ اللہ تعالیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت بھی فرماتے ہیں۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی حکم ہے کہ انہیں خدا نہ بناؤ۔ اگر کسی کو مسلمان بنایا جاتا ہے۔ تو اسکو کلمہ پڑھایا جاتا ہے۔ جس میں پہلے شہادۃ توحید ہے۔ دوسرے نمبر پر عبدیت محمدؐ اور تیسرے نمبر پہ رسالت کا ذکر کرایا جاتا ہے۔ التحیات حضرت محمدؐ نے سکھائی۔ مگر تعلیم یہ دی کہ انّ محمداً عبدہ ورسولہ، حضرت ابوہریرہ نے سوال کیا حضورؐ آپکو اپنی تعریف میں کونسا لفظ پسند ہے۔ کیونکہ آپ کے تو بیشمار تعریفات اور اسماء ہیں۔ فرمایا عبدہٗ یعنی "غلامِ خدا" اور اس میں میری خوشی ہے۔ تو گویا محمد صلعم کی خوشی ان کو عبدہٗ کہنے میں تھی، نہ کہ خدا کہنے میں۔ خدا خدا بنانے والے سوچ لیں۔

نتائج معراج

لنریہٗ سے مقصد و نتائجِ معراج کو واضح کیا گیا ہے۔ کہ وجہ معراج یہ ٹھہرائی گئی تاکہ آیات دکھائی جائیں، ویسے دیدارِ خداوندی تو ہر جگہ ہے کیونکہ وہ تو نحن اقرب الیہ من حبل الورید ہے۔ تو اللہ نے حکم فرمایا۔ کہ ذرا میرا بندہ میرے شاہی دربار کو بھی دیکھے، پیارے محبوب کو بلانا اور شاہی محل میں، کم لوگوں کی شان ایسی ہوتی ہے۔ مگر یہ مرتبہ حضورؐ نے حاصل کیا انہ ھو السمیع البصیر۔ یعنی خدا دیکھتا اور سنتا ہے۔ کہ انبیاء میں کون زیادہ حقدار اس مرتبہ کا تھا۔ اور کوئی نہیں تھا۔ واضح رہے کہ معراج کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ جسم رکھتے ہیں اور کسی مکان میں ہیں جیسے بادشاہ ہوتا ہے۔ یا اللہ پاک کسی کمرہ میں ہو۔ وجہ یہ تبلائی گئی کہ لنریہ من آیتنا۔ یعنی دلائل قدرت آسمان، دوزخ، جنت، ملائکہ، سدرۃ المنتہیٰ سب مکانی چیزیں ہیں۔ تبلایا گیا

(باقی صــ پر)

ہمارے اسلاف اپنے کردار کے آئینہ میں
(ایک اجمالی خاکہ)

از حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب ظلہ قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند

مشاہیر دارالعلوم دیوبند
اور
ان کی ملّی و قومی خدمات

علمائے دیوبند میں ایسے مشاہیر بھی ہوئے جو اپنے اپنے وقت کے امام ملت، علم و عمل کا نمونہ، خواص و عوام کی رشد و ہدایت کا مرکز، روایت حدیث، رنگ تفسیر، فقہ و درایت میں راسخ اور ذاتی خدا پرستی کے ساتھ مخلوق کے حق میں مربی اخلاق و مصلح دین اور دوسرے قومی و ملکی امور میں مسلمہ طور پر قائد تسلیم کئے گئے ہیں۔ مثلاً:-

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ

آپ بانیٔ دارالعلوم ہیں مگر جماعت کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے نیز اس حیثیت سے کہ تاسیس و بنار دارالعلوم بھی دارالعلوم ہی کی ایک نسبت ہے۔ اس موقعہ پر بھی آپ کا تذکرہ کر دیا گیا۔

مذہبی خدمات | متعدد مناظرے عیسائیوں اور آریہ سماجیوں سے کئے۔ تصانیف اور تقریروں کے ذریعہ ولی اللّٰہی مسلک کی وضاحت اور اشاعت کی۔ متکلمانہ اور عارفانہ انداز سے اصولِ اسلامیہ اور اساسی عقائد دین کو عقلی دلائل سے مستحکم اور مضبوط کیا اور دینِ اسلام کی سرحدات کو اتنا مضبوط بنا دیا کہ اغیار کے حملے ان پر اثر انداز نہ ہو سکیں۔

سیاسی خدمات | ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں عملی اور قائدانہ حصہ لیا۔ جنگ شاملی میں خود سپاہیانہ جنگ کی۔

سماجی اصلاحات | معاشرہ (سوسائٹی) میں غلط قسم کی رسوم سے جو ابتری پھیلی ہوئی تھی اُسے

پہلے اپنے گھر سے ختم کیا۔ اس کے بعد دوسروں کو ان کے ترک پر آمادہ کر کے معاشرہ کو صاف کیا جس کی تفصیل کتاب "مسلک دارالعلوم" میں بقدر ضرورت کر دی گئی ہے۔ مزید تفصیلات کے لئے کتاب "سوانح قاسمی" ملاحظہ ہو ——

قطب ارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ

آپ بھی دارالعلوم کے طالب علم نہیں بلکہ بانیوں میں سے ہیں۔ اور سربراہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مگر چونکہ یہ بھی دارالعلوم ہی کی ایک نسبت ہے۔ اس لئے اس موقعہ پر بھی آپ کا تذکرہ کیا گیا۔

دینی خدمات | علم حدیث، فقہ اور تصوف سے بہت زیادہ شغف رہا۔ ہزارہا انسانوں نے آپ سے استفادہ کیا۔ آپ نے علماء کی دینی تربیت فرمائی اور انہیں دین کے بارے میں اتنا راسخ اور مستحکم بنا دیا کہ ان افراد پر کوئی بھی فتنہ اثر انداز نہ ہو سکا۔

سیاسی خدمات | ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں حضرت نانوتویؒ کے دوش بدوش قائدانہ حصہ لیا۔ اور ۶ ماہ تک اسیر فرنگ رہے۔ جن لوگوں نے ان سیاسی اور جہادی خدمات پر پردہ ڈالنا چاہا ہے۔ خواہ اپنی لاعلمی اور معاملات سے بے خبری کی بناء پر یا اپنی کسی مصلحت کی وجہ سے، ان کی مصلحت اندیشی لایعبأبہ اور باخبر لوگوں کے نزدیک لغو ہے۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندیؒ

دینی خدمات | آپ حضرت نانوتویؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور حضرت کے بعد قاسمی علوم کا جو فیضان عالم میں آپ کی ذات سے ہوا اس کی نظیر دوسرے تلامذہ میں نہیں ملتی۔ اپنے استاد میں فانی اور استاد کے علم میں غزلی تھے۔ دین کے ہر دائرے میں آپ کی خدمات نمایاں مقام رکھتی ہیں۔ درس، تصنیف، ارشاد و تلقین اور جذبۂ جہاد وغیرہ میں آپ کی خاموش خدمتیں زبان حال سے گویا ہیں۔ آپ اپنے استاد حضرت نانوتویؒ کے علوم کے امین اور خزینہ دار تھے۔ آپ نے ان علوم کی ایضاح و تفصیل اور تفہیم و تیسیر میں نمایاں حصہ لیا۔ اور عظیم خدمت انجام دی۔ حضرت نانوتویؒ کی اعلیٰ ترین طباعت بہ تزئین حواشی و عنوانات آپ ہی نے شروع فرمائی۔ اور "حجۃ الاسلام" پر آپ ہی نے سب سے پہلے عنوانات قائم کئے۔ قرآن شریف کا ترجمہ فرمایا۔ بخاری کے ابواب و تراجم پر ایک جامع اور دبیز رسالہ تصنیف فرمایا۔ متعدد مناظرانہ تصانیف بھی

فرمائیں اور مناظرے بھی کئے۔ دارالعلوم دیوبند میں چالیس برس تک مسلسل درسِ حدیث دے کر ۸۶۰ اعلیٰ استعداد کے صاحبِ طرز عالمِ دین، فاضل علوم اور ماہرین فنون پیدا کئے۔ آپ کا درسِ حدیث اُس دور میں امتیازی شان رکھتا تھا، اور مرجع علماء تھا۔ آپ کو علماء عصر نے محدّث عصر تسلیم کیا — بیعت وارشاد کے راستہ سے ہزارہا تشنگانِ معرفت کو عارف باللہ بنایا اور آپ کو سلسلۂ طریقت ہندوستان سے گذر کر افغانستان اور عرب تک پہنچا۔ متعدد علمی تصانیف آپ نے ترکہ میں چھوڑیں —

سیاسی خدمات ہندوستان کو غیر ملکیوں سے آزاد کرانے کے لئے ایک زبردست انقلابی تحریک چلائی جس کو ریولٹ کمیٹی کی رپورٹ میں ریشمی رومال کی تحریک کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ یہ تحریک بہت زیادہ موثر تھی مگر راز میں نہ رہ سکی اور ناکام ہو گئی۔ پھر بھی اس کی آگ جن کے دلوں میں لگی ہوئی تھی انہوں نے آئندہ کام کر کے ہندوستان کو آزاد کرایا۔ آپ تقریباً پانچ برس مالٹا میں قید رہے۔

حضرت مولانا عبداللہ صاحب انبیٹھویؒ

آپ حضرت بانی دارالعلوم دیوبند کے داماد تھے۔ حضرت کے تلامذہ میں سے بھی تھے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ کے خلیفۂ مجاز تھے۔ مکہ مکرمہ میں حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کے پاس عرصہ تک قیام رہا۔ سرسیدؒ نے آپ کو علی گڑھ بلا کر مسلم یونیورسٹی میں ناظم دینیات کے عہدہ پر فائز کیا۔ سرسیدؒ اس پر اظہارِ مسرت کیا کرتے تھے کہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ بھی مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی نسبت سے خالی نہیں ہے۔ احقر نے بھی مولانا عبداللہ صاحبؒ سے اجازت حدیث حاصل کی ہے۔

حضرت مولانا حکیم جمیل الدین صاحب نگینویؒ

آپ مشہور اطباء میں سے تھے۔ حکیم اجمل خاں صاحبؒ کے استاد تھے۔ طبیہ کالج دہلی کے ممتحن رہے۔ آخر دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن بھی ہو گئے تھے۔ با اوقات بندگ، معمولات کے شدت سے پابند، ذاکر و شاغل، تہجد گذار اور شب بیدار لوگوں میں سے تھے۔ علم نہایت راسخ اور نکھرا ہوا تھا۔ ابتداً غازی پور میں قیام رہا۔ آخر میں دہلی کو وطن بنا لیا تھا۔ اور وہیں وفات ہوئی —

پرنسٹن یونیورسٹی امریکہ میں

ڈاکٹر فضل الرحمان کی

اسلام کے خلاف زہرافشانی

از حضرت مولانا محمد یوسف صاحب مدرسہ احیاء العلوم ماموں کانجن
ضلع لائل پور

"۴ مئی ۱۹۶۶ء سے ۱۱ مئی ۱۹۶۶ء تک امریکہ کی پرنسٹن یونیورسٹی میں ایک مذاکرہ ہوا تھا جس میں دنیا کے تمام مذاہب کے نمائندے شریک ہوئے تھے۔ اس مذاکرہ میں ان مذاہب سے تعلق رکھنے والے مختلف موضوعات پر مقالے پڑھے گئے۔" (فکر و نظر جلد ۴ ش ۱ ص ۱)

اسی "عالمی مذہبی کانفرنس" میں پاکستان کے مندوب، ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کے نمائندہ اور اسلام کے وکیل کی حیثیت سے جناب ڈاکٹر فضل الرحمان صاحب بالقابہ صدرِ ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی بھی شریک ہوئے، اس طرح آپ کیلئے اپنے ہم مسلک و ہم مشرب، ہم ذوق و ہمراز اور ہم نوالہ و ہم پیالہ احباب سے شرفِ ملاقات، ہم کلامی اور سات آٹھ دن تک کچھ اپنی کہنے اور کچھ انکی سننے کا زریں موقعہ ہاتھ آیا۔ ذرا تصور کیجئے امریکہ کا آزاد ماحول، پرنسٹن یونیورسٹی کی پرکیف فضا، نہ خطرۂ محتسب، نہ شور و شغبِ ملّا، ہم اور آپ کو کیا اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ سوز و ساز اور رازو نیاز کی کتنی داستانیں دہرائی گئی ہونگی، اسلام کے کتنے مثالی معیار اور نصب العین طے ہوئے ہونگے، اور ان کو بدلتے ہوئے مظاہر و احوال میں ترقی پسندانہ عملی جامہ پہنانے کیلئے کیا کیا منصوبے زیرِ غور آئے ہونگے۔[1] "روایتی اسلام" کی تدفین کے لئے کن کن تدابیر پر سوچ بچار

---

[1] ڈاکٹر صاحب کے مکتب فکر کے نزدیک اسلام کی تفسیر یہ ہے۔ "اسلام نام ہے چند مثالی معیارات اور نصب العینوں کا جن کو مختلف معاشرتی مظاہر و احوال میں ترقی پسندانہ طور پر عملی جامہ پہنانا ہوتا ہے۔" (فکر و نظر جلد ۲ ش ۱۱ ص ۶۹۷) یہ تفسیر پہلے پرویز، چودھری غلام احمد پرویز، غلام جیلانی برق اور بعض دوسرے نامور غیر مسلم مستشرقین سے آپ نے حاصل کی ہے۔ (فکر و نظر جلد ۲ ش ۱۲ ص ۷۶۹) اور تیرہ چودہ صدیوں کا اسلام ان کی اصطلاح میں "روایتی اسلام" یا "راسخ العقیدہ گروہ کا اسلام" کہلاتا ہے۔ جو ان کے نزدیک مردہ ہے ـــــــ۔

ہوتی ہوگی، زیادہ واضح الفاظ میں یہ کہ تجدد پسندانہ اصلاحِ اسلام کے کیا کیا وسائل و ذرائع زیرِ بحث آئے ہوں گے۔ فارسی شاعر کی زبان میں ؎

آنجا کرا دماغ کہ پرسد زباغبان بلبل چہ گفت، گل چہ شنید و صبا چہ کرد

یہ تمام امور ہمارے لئے بہر حال پردۂ غیب میں ہیں۔ البتہ "مدیر فکر و نظر" کا ممنون ہونا چاہیئے کہ انہوں نے ڈاکٹر صاحب کے انگریزی مقالہ جو اسلام کی طرف سے آپ نے اس موقع پر پیش کیا تھا کے اردو ترجمہ کرنے اور اسکی اشاعت کی زحمت فرمائی، مقالہ کا اردو عنوان ہے۔ "اسلام پر تجدد پسندی کے اثرات" ——— یہ مقالہ ایک دو بار نہیں بلکہ کئی بار ہم نے بھی پڑھا۔ اس کے مضمرات پر غور کیا، اور ڈاکٹر صاحب کی اسلام پر بحث کو خوب جانچا پرکھا، پہلے ہم اس خوش فہمی میں مبتلا رہے کہ ڈاکٹر صاحب اس موقعہ پر اسلامی ملک کے مندوب، اسلامی ادارہ کے سربراہ اور اسلام کے وکیل کی حیثیت سے تشریف لے جارہے ہیں۔ ان کے نظریات کچھ بھی ہوں لیکن آخر قیامت تو نہیں آگئی وہ اپنی اس پوزیشن کا لحاظ کرتے ہوئے "مذاہب عالم کانفرنس" میں اسلام کی کچھ تو لاج رکھیں گے۔ مگر "عالم اسلام" کی امیدوں کے برعکس آپ نے سب کے سامنے اسلام کی وہ پٹائی کی اور جارحیت کا ایسا شدید مظاہرہ کیا کہ ہمیں اپنی خوش فہمی پر ماتم کئے بغیر اور مدیرِ فکر و نظر کو حکومت اور ادارۂ تحقیقات دونوں کی طرف "ہمیں اس سے کوئی تعلق نہیں" کا اعلان کئے بغیر نہ بن پڑی، وہ فرماتے ہیں :-

"یہ مقالہ اسی مذاکرہ میں پڑھا گیا، جن خیالات کا اس میں اظہار کیا گیا ہے وہ فاضل مقالہ نگار کی اپنی تحقیق کا نتیجہ ہیں۔ حکومتِ پاکستان یا ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کی پالیسی سے ان کا کوئی تعلق نہیں"۔ (فکر و نظر جلد ۴ ش ۱ ص ۹)

ہم تمام عالمِ اسلام بالخصوص مسلمانانِ پاکستان کیطرف سے "فکر و نظر" کے مدیر محترم کے شکر گذار ہیں، کہ انہوں نے ڈاکٹر صاحب کے سوقیانہ قسم کے مقالہ کی ذمہ داری سے انکار کر دیا، ان کا یہ اقدام مستحقِ صد مبارکباد ہے ——— واقعہ یہ ہے کہ اس قسم کے مکروہ پروپیگنڈہ کی ذمہ داری نہ کوئی اسلامی حکومت اٹھا سکتی ہے، اور نہ کوئی سنجیدہ ادارہ اس بارِ گراں کا متحمل ہو سکتا ہے۔ اگر وہ یہ اعلان نہ کرتے تو ملک اور بیرونِ ملک کے زخمی دل مسلمانوں کو بڑی مایوسی ہوتی۔

البتہ یہ معمّا ہمارے فہم سے بالاتر ہے۔ شاید فکر و نظر کے مدیرِ محترم اسے حل کر سکیں۔ کہ ایک شخص کسی حکومت یا ادارہ کا نمائندہ اور سفیر بن کر جائے، لیکن جب وہ فرائضِ سفارت انجام

دے چکی تو حکومت اور ادارہ اپنے نمائندہ کی ذمہ داری سے انکار کر دے، اوارتی اور سفارتی تاریخ میں اسکی کتنی مثالیں ملیں گی ـــــــ؟ یہ تو دیکھا سنا تھا، کہ اگر کسی نمائندہ نے حکومت یا ادارے کی پالیسی کا احترام کئے بغیر کوئی بیان جاری کر دیا تو نہ صرف یہ کہ وہ معزول کر دیا جاتا ہے، بلکہ اس کے خلاف مناسب کارروائی بھی عمل میں لائی جاتی ہے۔ مگر ہماری ناقص معلومات میں یہ کبھی نہیں آیا، کہ سفیر عہدۂ سفارت پر، نمائندہ منصبِ نمائندگی پر اور صدر کرسیٔ صدارت پر بدستور قائم رہتے ہوئے اپنی حکومت اور ادارہ کی پالیسی سے لاتعلق بیان دیتا رہے۔ اس کے باوجود نہ اسے کسی قسم کی سرزنش کی جائے، نہ اسکی معزولی عمل میں آئے، نہ اسے کسی درجہ میں قابلِ ملامت تصور کیا جائے، بلکہ اس تمام قصہ کو " فاضل مقالہ نگار کی اپنی تحقیق کا نتیجہ " کہہ کر گول کر دیا جائے ـــــــ

اور اس معمّا میں ناقابلِ فہم پیچیدگی اس وقت اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ جب کہ ہم " فکر و نظر " کے فاضل مقالہ نگار " کے مقالہ میں صدرِ مملکت اور ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کی صاف صاف نمائندگی ان الفاظ میں پڑھتے ہیں :-

" صدر محمد ایوب خان کی حکومت نے ۱۹۶۰ء میں ایک ادارہ ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کے نام سے علوم اسلامی میں تحقیقات، اور جدید ضرورتوں کے لئے اسلام کی تعبیر و تشریح کی غرض سے قائم کیا ہے۔ ۱۹۶۲ء میں اس ادارہ کو ایک آئینی حیثیت دی گئی ص۲۶ "

" ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کے مطالعہ نے تبلایا - الخ " " ادارۂ تحقیقات کا استدلال یہ تھا " ص۲۷

" فاضل مقالہ نگار " کے یہ بیانات کسی وکیل، بیرسٹر اور جج کے سامنے رکھیئے، کیا وہ یہ فیصلہ دے گا، کہ مقالہ نگار صرف اپنے خیالات کی ترجمانی کر رہا ہے۔؟ ڈاکٹر صاحب کے یہ الفاظ پکار پکار کر اعلان کرتے ہیں، کہ وہ اپنی زبان سے نہیں، بلکہ صدرِ مملکت اور ادارۂ تحقیقات اسلامی کی زبان سے بول رہے ہیں ـــــــ ؎

انہیں کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان اپنی ہے بات اُنکی
انہی کی محفل سجا رہا ہوں چراغ اپنا ہے رات اُن کی

پھر اس معمّا کی الجھن میں مزید بر مزید اضافہ اس وقت ہو جاتا ہے، جب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ " زہرآب مقالہ " جو ایک خاص ماحول میں پڑھا گیا تھا - بجائے اس کے کہ اسے دفن کر دیا جاتا، ہُوا یہ

ایک طرف" ادارۂ تحقیقات اسلامی" اس مقالہ کے اردو، عربی، بنگلہ تراجم اپنے مجلات میں ہزاروں بلکہ شاید لاکھوں کی تعداد میں چھاپ کر پورے پاکستان بلکہ کل عالم اسلام اور دیگر ممالک میں اس شر کو پھیلاتا ہے۔ اور دوسری طرف بڑی معصومیت اور آبلہ فریبی سے ساتھ ساتھ یہ اعلان بھی شائع کرتا ہے :-

" یہ مقالہ نگار کی اپنی تحقیقات کا نتیجہ ہے، حکومت پاکستان یا ادارۂ تحقیقات اسلامی کی پالیسی سے اس کا کوئی تعلق نہیں "

اگر واقعی ادارۂ تحقیقات کو اس سے کوئی تعلق نہیں، تو مختلف زبانوں میں بڑی آب وتاب کے ساتھ اس کی اشاعت کے کیا معنی ــــــ ؟

ہمیں ادارۂ تحقیقات کی اس پالیسی اور طرز عمل سے اندیشہ ہے، کہ جس طرح آج مدیر فکر ونظر" نے اپنے صدر محترم کے متعلق اعلان کر دیا، اسی طرح کل ان کے اسی اعلان کے بارے میں ادارہ کے کوئی دوسرے مدیر صاحب یہ اعلان نہ کر دیں کہ :-

" ڈاکٹر صاحب کے مقالہ سے متعلق " مدیر فکر ونظر" نے جو اعلان لاتعلقی فرمایا ہے - یہ " فاضل مدیر فکر ونظر" کی اپنی تحقیقات کا نتیجہ ہے۔ حکومت پاکستان یا ادارۂ تحقیقات اسلامی کی پالیسی سے اس کا کوئی تعلق نہیں "

کیا یہاں ادب و احترام ملحوظ رکھتے ہوئے فکر ونظر کے فاضل مدیر سے یہ سوال کیا جا سکتا ہے۔؟ کہ آپ اپنے ادارہ کی پالیسی کا اعلان بصد شوق کریں۔ لیکن حکومت پاکستان کی پالیسی کے اعلان کا منصب انہیں کب سے تفویض ہوا - ؟ یہ سوال اس لئے اہمیت رکھتا ہے، کہ اگر ادارۂ تحقیقات اسلامی کے صدر محترم جناب ڈاکٹر فضل الرحمان کا مقالہ "غیر ذمہ دارانہ" ہو سکتا ہے، تو ان کے نائب، مدیر فکر ونظر کے اعلان پر کون اعتماد کرے گا -؟ اگر واقعۃً حکومت پاکستان کی پالیسی سے ڈاکٹر صاحب کے ان خیالات کا کوئی تعلق نہیں تھا، تو حکومت پاکستان کی وزارت اطلاعات و نشریات یا کسی اور متعلقہ محکمہ کی جانب سے کیوں اس سے بیزاری کا اعلان نہ کیا گیا؟ یا حکومت کے نزدیک ڈاکٹر صاحب کا یہ مقالہ اس قدر غیر اہم اور لایعنی ہے۔ کہ وہ اس کے بارے میں کسی وضاحتی بیان کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتی -؟

بہر حال ڈاکٹر صاحب کا یہ مقالہ تو ایک معمّا ہے۔ اس پر مدیر فکر ونظر کا اعلان لاتعلقی معمّا در معمّا ہے۔ بایں ہمہ ہم ان کے شکر گذار ہیں۔ کہ اس "غیر ذمہ دارانہ مقالہ" سے لاتعلقی کا

"غیر ذمہ دارانہ اعلان" تو کر ہی دیا — عجب بلا ہو دے اگر این ہم نہ بود ے۔

مقالہ سے متعلق ان ابتدائی امور کے بعد اب اس کے مشمولات پر نظر ڈالئے، موصوف اپنی بحث کے حدود متعین کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"یہاں مجھے جس مسئلے سے بحث کرنا ہے، وہ کافی حد تک محدود اور بسیط ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی وہ اسلامی دنیا اور دوسری وسیع تر دنیا، دونوں کیلئے بہت زیادہ فوری اہمیت رکھتا ہے، میرا ارادہ تجدید۔ یعنی جدید زمانے کے مطابق اپنے آپ کو کرنے، یا زیادہ واضح الفاظ میں جدت پسندی کے بارے میں کچھ کہنا ہے۔ اور اسلامی دنیا پر جدید طرز زندگی کس حد تک اثر انداز ہوتی ہے، اس کا ایک مجموعی جائزہ لینا ہے۔ اس سے خود اسلامی دنیا، اور دوسری وسیع تر دنیا کے لئے مستقبل قریب میں مسلم معاشرے میں مناسب حد تک متوقع تبدیلیوں کی نوعیت اور وسعت واضح کرنے میں مدد ملے گی" ص ۱

آپ اس سے سمجھ گئے ہوں گے کہ موصوف، تجدید، تجدد، اپنے کو جدید زمانے کے مطابق ڈھالنے یا واضح الفاظ میں جدت پسندی کے عوامل، اثرات اور تدابیر پر بحث کریں گے۔ یعنی اسلام کو "نئی دنیا" کے مطابق کتنا بدلا جا چکا ہے، کتنا بدلا جا سکتا ہے، کس طرح بدلا جا سکتا ہے، اور یہ بدلنا کیوں ضروری ہے۔ اس اقتباس میں موصوف نے دو جگہ اسلامی دنیا کے ساتھ "دوسری وسیع تر دنیا" کے لئے اس مسئلہ کی "بہت زیادہ فوری اہمیت" کا جو ذکر فرمایا ہے، اسے کسی طرح نظر انداز نہ کیا جائے، موصوف یہ بتلانا چاہتے ہیں، کہ اسلام کی تبدیلی میں اسلامی دنیا کو دلچسپی ہو یا نہ ہو، لیکن "دوسری وسیع تر دنیا" بالخصوص مسیحیت، یہودیت اور چینی اور روسی کیمونزم کے حاملین بڑی بے چینی سے منتظر ہیں، کہ مسلمان اپنے اسلام اور اسلامی ورثہ کو خیر باد کہہ کر لادینیت، سیکولرزم، یا مذہب کی بگڑی ہوئی صورت کو اپنا کر کب ہماری سطح پر آجاتے ہیں، تاکہ مسلمانوں کو یہ کہنے کا موقع باقی نہ رہے، کہ اپنی اصلی شکل میں صحیح مذہب اگر کوئی موجود ہے تو وہ اسلام ہے۔

اس حرف آغاز کے بعد موصوف اصلاحی تحریکوں کا تذکرہ شروع کرتے ہیں۔ اس ضمن میں وہابی تحریک اور سنوسی تحریک اور ان جیسی دوسری تحریکوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"لیکن انہیں کسی طرح بھی جدت پسند اصلاحی تحریکیں نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ صاف طور پر انکی اصلاحی سرگرمیوں کی حدود تمام کی تمام مسلمانوں کے ماضی کے چوکھٹے میں منحصر نہیں" ص ۱

یعنی جدت پسندی کے لئے پہلی شرط یہ ہے۔ کہ اسلام کے ماضی سے وہ اپنا رشتہ بالکلیہ کاٹ لے، اور یہ تحریکیں اس شرط سے محروم تھیں۔ اس کے بعد جدت پسندی کے اصل نقطۂ آغاز کی نشاندہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

" دنیائے اسلام میں تجدد کے عمل دخل کی ابتداء اس وقت ہوئی، جب کہ مغربی طاقتوں کی مسلمان ممالک کے ساتھ فوجی اور سیاسی مڈبھیڑ ہوئی " ص۱۱

اس ذیل وہ شیخ محمد عبدہٗ مصری، اور سر سید احمد خان کی سائنسی تحریک کا ذکر کرتے ہیں، اور ان دونوں میں مشابہت اور مفارقت کی صورتیں ذکر کرنے کے بعد ان دونوں تحریکوں کے تباہ کن حشر کا ذکر تے ہیں، اس کے بعد وہ جدت پسندی کے ایک اور مرحلہ کی نشاندہی کرتے ہیں، جسے ان کی اصطلاح میں علامہ محمد اقبال کا مرحلہ کہا جا سکتا ہے، اس کے بارے میں موصوف کا خیال ہے کہ :۔

" اس مرحلے میں مسلمانوں کا معذرت خواہانہ انداز مغرب کے خلاف ایک جارحانہ اقدام کی شکل اختیار کرتا ہے۔ اور ان کی مدافعت، جارحیت میں بدل جاتی ہے۔ مغرب کے خلاف اس طرزِ فکر نے جو کہ صریحاً دو رخا پن کا حامل ہے، قدامت پسندوں اور جدت پسندوں کی صفوں کو باہم ایک دوسرے کے بہت قریب کر دیا، اتنا قریب کہ بعض دفعہ دونوں میں فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے " ص۱۴

موصوف کے نزدیک جدت پسندی کی یہ تحریک بھی قدامت پسندوں کی نظر ہو کر رہ گئی، ان تمام تحریکات کی ناکامی کا اصل باعث کیا تھا۔؟ اس سلسلہ میں موصوف نے بڑی جرأت مندانہ بات کہی ہے، ان کا یہ " تجرباتی نظریہ " ان کی " اسلامی ذہنیت " کو پوری طرح واشگاف کر دیتا ہے۔ فرماتے ہیں :۔

" یہ سوال کہ خالص دنیوی عقلیت اور سائنسی ذہنیت کتنی حد تک اور کتنی گہری قبول ہو سکتی ہے، اگر روایتی مذہبی تصورات و اعمال اس سے نہایت سختی سے الگ رکھے جائیں! کافی سوچ میں ڈالنے والا ہے، تجربہ یہ بتلاتا ہے۔ کہ یہ کبھی قابلِ قبول نہیں ہو سکتی جب تک کہ مذہب کو زندگی پر قطعی طور سے اپنی گرفت ڈھیلی کرنے کی اجازت نہ دی جائے، لیکن جب تک زندگی پر مذہب اپنی گرفت مضبوط رکھتا ہے تو ایک طرف خالص دنیوی۔ جدید عقلیت اور سائنسی ذہنیت، اور دوسری طرف روایتی مذہبی تصورات و اعمال دونوں کو ایک

دوسرے سے خواہ کتنی ہی سختی سے الگ الگ رکھا جائے، مذہب دنیوی افکار کو بھی داخل ہونے سے بڑے موثر طریقے سے روکے گا۔ یہ بات اگرچہ بظاہر متناقض نظر آتی ہے، لیکن واقعہ یہی ہے" ص۱۵

خلاصہ یہ کہ موصوف کے نزدیک مسلمانوں کی تمام بیماریوں کی جڑ "مذہب اسلام" ہے۔ اس لئے مسلمان اگر اس بیماری سے شفایاب ہو کر ترقی کرنا چاہتے ہیں تو راستے کے اس پتھر کو ہٹائیں، مذہب اسلام کو زندگی سے اپنی گرفت ڈھیلی کرنے پر مجبور کریں، بس مسلمان جسقدر مذہب سے دور اور لامذہبیت کے قریب ہوتے چلے جائیں گے، اسی قدر ان کے سامنے زندگی کی ترقی کی راہیں کشادہ ہوتی چلی جائیں گی، اور ان کو ترقیاتی عروج پورا پورا اس دن نصیب ہوگا جس دن وہ مذہب اسلام کو بالکلیہ خیرباد کہہ دیں گے، اس کے بعد موصوف اپنے مقالہ میں اسلام کی جگہ لامذہبیت کو اپنانے کی دعوت برابر دیتے چلے گئے ہیں، مثلاً ایک جگہ علماء اسلام کیطرف سے اسلامی عقاید اور احکام کی حفاظت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"علماء اسلام کا یہی وہ نقطۂ نظر ہے جو اسلامی دنیا میں سیکولرزم، لامذہبیت کے پھیلنے کا براہ راست ذمہ دار ہے" ص۱۶

پھر اسکی مثال کیلئے "شرح زکوٰۃ" کو ملوانہ منطق کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد آخر میں فرماتے ہیں :-

"واقعہ یہ ہے کہ جدید زندگی اور روایتی اسلام (جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اب تک محفوظ چلا آرہا ہے ۔ناقل) کے درمیان ٹکراؤ کے اس تمام عرصہ میں علماء کی اکثریت کیطرف سے جس نقطۂ نظر کا اظہار ہوتا رہا ہے۔ وہ حقیقت میں سیکولرزم کا براہ راست ممد و معاون ہے" ص۲۲

ایک جگہ پاکستان میں اسلام کی ضرورت سیکولرزم کے فعال اور موثر قوت بننے تک کو بڑی صراحت سے ذکر کرتے ہیں :-

"مزید برآں پاکستان کے دو حصے ہیں۔ جو جغرافیائی لحاظ سے ایک دوسرے سے الگ الگ ہیں۔ اور یہ صورت حال ہندوستان تک کو درپیش نہیں۔ اب جب تک کہ سیکولرزم مثبت ترقی کے لئے ایک فعال اور موثر قوت نہ بنائی جاسکے، ان ملکوں کے لئے یہی ایک صورت ممکن نظر آتی ہے۔ کہ وہ مذہب کو مملکت کی اساس تسلیم کریں" ص۲۳

ایک جگہ اسلامی مملکت ہونے کی وجہ سے پاکستان کی مشکلات اور اس کے مقابلہ میں

ایک سیکولر مملکت کی آسانیوں کو بڑے للچاتے ہوئے انداز میں ذکر کرتے ہیں :۔

"لیکن یہی وہ اصل سوال ہے ، یعنی اسلام کی نئی تعبیر کی دریافت ، جس کا ذہنی سطح پر حل تلاش کرنے میں سرکاری پالیسی مایوس کن رہی ہے ۔ اولاً ہمیں تسلیم کر لینا چاہئے ۔ کہ اس طرح کے تمام مسائل کے حل ۔ جیسے کہ اقلیتوں کے ساتھ کیا سلوک ہو ، اور صنعتی اور تکنیکی تبدیلی سے جو معاشرتی نتائج نکلیں گے ، ان کے پیش نظر ترقیاتی پروگرام کیا ہوں ۔ ایک سیکولر مملکت میں زیادہ آسانی سے دستیاب ہو سکتے ہیں ۔ کیونکہ سیکولرزم تو ہے ہی روایتی رکاوٹوں اور تعصبات سے نجات پانے کے لئے ایک جرأت مندانہ قدم ، خواہ اس کے لئے کتنی بھی بڑی قیمت ادا کرنی پڑے ۔ اب چونکہ پاکستان ایک اسلامی مملکت ہے ۔ اس لئے اسے ان مسائل کے حل کرنے کے لئے بڑی مشکلات درپیش ہیں ۔" صـ ۲۴

ایک مقام پر ان نام نہاد مشکلات کے حل کے لئے بزعم خود تعبیر و تاویل کا قابل قبول طریقہ پیش کیا ہے ، اور اس سلسلہ میں تعدد ازدواج کی بحث کو اٹھا کر حسب عادت اس پر طویل تقریر کی ہے ، جس کا حاصل یہ ہے ، کہ قرآن کا اصل منشا تو یہ ہے کہ عام حالات میں ایک مرد کیلئے ایک بیوی کا ہونا ہی "مثالی حیثیت" رکھتا ہے ۔ مگر زمانۂ نزول کے معاشرے سے اسے مصالحت کرنا تھی اور اس معاشرے میں تعدد ازدواج کی جڑیں گہری تھیں اس لئے اسے قانونی سطح پر تعدد ازدواج کو قبول کرنا پڑا ۔

"تاہم رسول مقبول علیہ السلام کی یہ آرزو تھی کہ مسلمان اس مثالی معاشرے کو بتدریج اپنائیں گے ۔ بہر حال تاریخی لحاظ سے ہوا برعکس ، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد بڑے وسیع پیمانے پر مسلمانوں کو فتوحات حاصل ہوئیں ، جن کے نتیجے میں مسلم معاشرے میں بہت بھاری تعداد میں باہر سے عورتیں اور لونڈیاں ، اور یہ چیز اس معاملے میں قرآن کے اصل مقصد کے لئے رکاوٹ بن گئی ۔" صـ ۳۰

آنحضرت صلی اللہ علیہ کیطرف جس آرزو کی نسبت کی گئی ہے ۔ اس کا علم موصوف کو کن ذرائع سے ہوا ۔؟ یہ تو انہیں کو معلوم ہو گا ، لیکن ان کی عبارت سے اتنی بات بہر حال صاف ہو جاتی ہے ۔ کہ ان کے نزدیک قرآن کے مثالی معاشرہ کا جو تصور ہے ، اسے نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سکے ، نہ خلفاء راشدین ، نہ صحابہ ، نہ تابعین ، نہ آئمہ مجتہدین ، نہ چودہ سو سالہ امت ، بلکہ موصوف کے بقول یہ تمنائے نبوی کبھی شرمندۂ وقوع نہ ہو سکی ، البتہ تعبیر و تاویل کے جدید تیشے سے چاہا جاتا ہے کہ

قرآن کو تلاش کر کے مثالی معاشرہ قائم کر دیا جاتے۔ غالباً پاکستان میں مسلم فیملی لاز کے ذریعہ پہلی دفعہ آپ کی آرزو کو پورا کرنے کے لئے مارشل لاء کی فرصت تلاش کی گئی۔۔۔ سبحان اللہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی آرزو کا انکشاف ہوا کس کو ۔ ؟ چودہ سو سال بعد کے ڈاکٹروں کو، جن کے نزدیک اسلام خود ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی کے ذیل میں انہوں نے مسئلہ غلامی کا ذکر بھی کیا ہے۔۔۔ فرماتے ہیں:-

"اور یہی غلامی کے مسئلہ میں ہوا۔ جسے قانونی سطح پر تو برداشت کر لیا گیا، لیکن اس کے ساتھ ہی ایک اخلاقی محرک عمل میں لایا گیا، کہ اسکی وجہ سے یہ ختم ہو جاتی ہے۔ اسلامی تاریخ نے اس مقصد کو بھی ناکام کر دیا۔ اور ظاہر ہے کہ اس کے تاریخی وجوہ ہیں" صفحہ ۲۰

تاریخی وجوہ کچھ بھی ہوں، لیکن مذاہب عالم کانفرنس کے بھرے مجمع میں تمام دنیا کے نمائندوں کے سامنے یہ اعلان تو کر ہی دیا، کہ نہ صرف تعدد ازدواج اور مسئلہ غلامی بلکہ پورے اسلام کو سمجھنے، اس کے منشا کو اپنانے، اور اسلام کی روح پر عمل کرنے میں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر اب تک اسلامی تاریخ کی تمام صدیاں ناکام رہیں۔ صحیح اسلام کا سراغ تحقیقات اسلامی کے ادارہ کو ملا ہے۔۔۔ اسی کے متصل آپ نے اسلامی عقائد پر بھی بحث کی ہے، تمہیداً فرماتے ہیں:-

"ہم نے اب تک جن مثالوں کا انتخاب کیا وہ قانونی و اجتماعی معاملات کی ہیں۔ لیکن عقائد کا دائرہ بھی ان سے کچھ کم نہیں" صفحہ ۲۱

یعنی مسلمانوں کا نہ صرف نظامِ قانون غلط ہے، بلکہ نظامِ عقاید بھی غلط، اس کے بعد اس غلطی کی وضاحت کے لئے آپ ایک عجیب وغریب اصول پیش فرماتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

"دنیا کے متعلق جدید آدمی کا جو تصور ہے، باوجود ان تمام اختلافات کے جو اس میں پائے جاتے ہیں، وہ قرونِ وسطیٰ کے نقطۂ نظر اور روایتی طرزِ فکر سے مختلف ہے۔ سند کو مان لینا، اور خوش اعتقادی ایک ہی سکہ کے دو رخ ہیں۔ اور یہ سکہ جدید دنیا میں اب چالو نہیں رہا۔ جب آپ سند کو مانتے ہیں، تو اس کا نتیجہ لازماً خوش اعتقادی ہوتا ہے" صفحہ ۲۲

موصوف کا مطلب یہ ہے۔ کہ دینِ اسلام کے تمام اعمال، عبادات اور عقائد کا مدار سند پر ہے۔ اور سند کو مان لینے سے چونکہ خوش اعتقادی کا جن چھوٹ جاتا ہے، اس وجہ سے یہ سکہ جدید دنیا میں چالو نہیں رہا، لہٰذا ثابت ہوا کہ دینِ اسلام کا کوئی عقیدہ، کوئی قانون، اور کوئی عمل "جدید دنیا" میں چلنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔۔۔ ہمیں معلوم نہیں کہ موصوف کو کس "جدید آدمی" سے ملاقات

کا شرف حاصل ہوا۔ جس کے مذہب میں سند اور خوش اعتقادی کا سکہ پھینک دئے جانے کا مستحق ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ سکہ امریکہ، برطانیہ اور روس بلکہ تمام ممالک میں اور تمام حلقوں میں بڑی مقبولیت سے چالو ہے۔ وہ کون سا ملک ہے، جہاں بین الاقوامی سفیروں، عدالتی بیانوں، ماہرین فن کی شہادتوں پر اعتماد نہیں کیا جاتا، دنیا کا وہ کونسا جدید ملک، معاشرہ اور فرد ہے جس کے نزدیک کسی کا کسی کی بات پر اعتماد کرنا اسے سند تسلیم کرنا اور خوش اعتقادی اور پسندیدگی کا اظہار کرنا ناقابل معافی جرم ہے۔

ہمیں یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا، کہ یہ اصول کب سے چل نکلا ہے، کہ جو سکہ دنیا میں چالو نہ رہے۔ خواہ کتنا ہی قیمتی کیوں نہ ہو۔ اسے باہر پھینک کر "حماقت آمیز دانشمندی" کا مظاہرہ کرو۔ عقل ونقل یہ اصول تو تسلیم کرتی ہے۔ کہ اگر کوئی سکہ واقعی بے قیمت، کھوٹا اور ردی ہو، اسے بڑی خوشی سے پھینک دیجئے خس کم جہاں پاک۔ لیکن جس سکہ کو چودہ سو سال سے دنیا کی ہر سنجیدہ قوم جانچ پرکھ کر۔ اس کے قیمتی جوہر ہونے کا اعتراف کرنے پر مجبور ہے۔ اسے محض اس وجہ سے پھینک دینا کہ چند احمق اسے کھوٹا بتلانے لگے ہیں، کیا عقل وخرد کا دیوالیہ نکال دینے کے مترادف نہیں ۔۔؟ پھر جس جدید دنیا کا ذکر خیر" ڈاکٹر صاحب فرما رہے ہیں، کیا اس میں قرآن، نبوت محمدیہ، حشر ونشر، حساب وکتاب اور جنت و دوزخ کا سکہ چالو ہے۔۔؟ اگر نہیں تو جدید دنیا کی خاطر یہ تمام سکے بھی پھینک دیجئے، (اور موصوف ان سب کو پھینک چکے ہیں) ڈاکٹر صاحب نے بڑی سنجیدگی سے اس فقرہ میں جو خیال آرائی کی ہے۔ اگر ہمیں ان کا اور یرنسٹن یونیورسٹی کے سنجیدہ مذاکرہ کا احترام ملحوظ نہ ہوتا۔ تو ہمارے نزدیک اس کی حیثیت "دیوانے کی بڑ" اور "بازاری گپ شپ" سے زائد نہیں تھی۔ دیوانہ گفت وابلہ باور کرد۔

ڈاکٹر صاحب پڑھے لکھے آدمی ہیں۔ کیا وہ اتنا نہیں جانتے کہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا عموماً خود وہی چیزیں رہی ہیں، جن کا سکہ قوموں کی حماقت، بگڑی ہوئی ذہنیت اور مسخ شدہ عقل کی وجہ سے دنیا میں چالو نہیں تھا، اب اگر ان کا یہ اصول صحیح ہو، کہ جدید دنیا میں جس سکہ کی چلت نہ ہو، اسے رد کرنا ہی صحیح عقلیت ہے۔ تو انبیاء علیہم السلام کی جانب سے پیش کردہ توحید، رسالت، تصور قیامت، بعث بعد الموت، حشر ونشر وغیرہ مسائل جو اس وقت کے چلتے سکوں کے علی الرغم پیش کئے گئے۔ ان کے متعلق ڈاکٹر صاحب کے ادارۂ تحقیقات اسلامی سے کیا فتویٰ صادر ہوگا ـــــ موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا سکہ فرعونی ماحول میں، ابراہیم علیہ السلام

کے نظریات کا سکہ مروجی ماحول میں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا سکہ کی اور عربی ماحول میں کب چالو تھا۔؟

اصل قصہ یہ ہے۔ کہ ڈاکٹر صاحب اور ان کے تحقیقاتی ادارہ میں "سوچ و بچار" کا سکہ چالو نہیں۔ اس لئے وہ کسی بات کے کہہ ڈالنے سے پہلے اتنا سوچ لینے کے قائل نہیں، کہ ان کے اس نظریہ کی زد میں کون کون آجائے گا۔

چالو سکے کی بحث چل نکلی تو دل چاہتا ہے۔ کہ ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں ایک گذارش مزید کر دی جائے، وہ یہ کہ ہم تسلیم کئے لیتے ہیں۔ کہ جدید دنیا کی بگڑی ہوئی اور خدا سے باغی انسانیت کے ماحول میں انبیاء علیہم السلام کے مآثر کی "سند" اور ان سے "خوش اعتقادی" کا سکہ نہیں چلتا۔ لیکن یہ بھی تو ظاہر ہے کہ ڈاکٹر صاحب ہمیشہ کے لئے "پرنسٹن یونیورسٹی" میں مقالہ خوانی نہیں کرتے رہیں گے، سنت بنی آدم ان پر بھی آخر کار جاری ہو کر رہے گی، اور موت کا آہنی چنگل انہیں بھی ایک نہ ایک دن دبوچ کر رہے گا، وہ ہمیں بتلائیں کہ بازار آخرت میں کونسا سکہ چلے گا۔ کیا پرنسٹن یونیورسٹی میں پڑھے ہوئے "ابن سینا اور راسخ العقیدہ اسلام اور" اسلام پر تجدد پسندی کے اثرات" قسم کے مقالے ۔۔۔؟ "ایں خیال است و محال است و جنوں"

انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ وہاں اسی "روایتی اسلام" کا سکہ چلے گا جس کے ایک ایک حرف کا مذاق اڑانا ہی ان کے نزدیک تقاضائے "جدید عقلیت" ہے۔ اگر ہماری یہ گذارش بھی ان کے نزدیک "سندی خوش اعتقادی" میں داخل ہو تو قرآن مجید پڑھ دیکھیں، اس کا اعلان آج بھی وہی ہے جو کل تھا:

ومن یشاقق الرسول من بعد ما	اور جو کوئی مخالفت کرے رسول کی جب کہ
تبین لہ الھدی ویتبع غیر	کھل چکی اس پر سیدھی راہ، اور چلے سب
سبیل المؤمنین نولہ ماتولی و	مسلمانوں کے رستے کے خلاف تو ہم حوالہ
نصلہ جہنم وساءت مصیرا۔	کریں گے اسکو وہی طرف جو اس نے اختیار
(النساء رکوع ۱۰)	کی، اور ڈالیں گے ہم اسکو دوزخ میں اور

اور وہ بہت بری جگہ پہنچا ۔۔۔ (ترجمہ، حضرت شیخ الہند)

ڈاکٹر صاحب اس آیت کے آئینے میں اپنے اس نظریہ کی، اور اس مقالہ کے دوسرے نظریات کی اور دیگر تمام مقالات کی اصل صورت دیکھ لیں ۔۔۔۔۔۔ الغرض ڈاکٹر صاحب

کا یہ اصول ایک اعجوبہ ہے، اب ذرا سنیئے کہ اس "اعجوبہ" کی زد میں وہ دینِ اسلام کی کن کن چیزوں کو لے آتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

"اور خوش اعتقادی ہی اصل مورث ہے۔ ہر قسم کے جادو، ٹوٹکے پر یقین کرنے، کرامات پر زور دینے، اور بھونڈی شکل میں روحانی شعبدہ بازی کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کو عام طور پر جسطرح پیش کیا جاتا ہے، وہ اسطرح کے توہمات پرستی کی جس کا قرآنِ مجید سے کوئی ثبوت نہیں ملتا، ایک مثال ہے۔" ص ۲۱

صرف وہ کرامات جن کا ذکر قرآنِ مجید میں موجود ہے۔ ان ہی کی اگر فہرست مرتب کر لی جائے، تو ایک اچھا ضخیم مقالہ تیار ہو سکتا ہے، اور معراجِ نبوی کا ذکر قرآنِ مجید، احادیثِ متواترہ جن کے راوی تیس کے قریب صحابہ ہیں، کے علاوہ تاریخ و سیرت کی ہر بڑی چھوٹی کتاب میں اجمالاً یا تفصیلاً موجود ہے۔ اور چودہ سو سالہ امت کا اجماعی عقیدہ ہے۔ اور ضروریاتِ دین میں داخل ہے، مگر ڈاکٹر صاحب کی "توہمات پرستی" کی داد دیجئے، کہ آپ نے کرامت، معجزہ اور معراجِ نبوی ڈانڈے، جادو، ٹوٹکے اور بھونڈی شعبدہ بازی سے جا ملائے۔ رہا یہ سوال کہ پھر یہ اجماعی عقیدہ مسلمانوں میں کہاں سے آیا، اور حدیث، سیرت اور تاریخ کے تمام مآخذ کے علاوہ قرآنِ مجید میں بھی کیسے درج ہو گیا۔؟ اس کا جواب یہ ہے کہ:

"معلوم یہ ہوتا ہے۔ کہ جب مسلمان جزیرۂ عرب سے باہر نکلے اور خاص طور سے عراق میں ان کو عیسائیوں سے سابقہ پڑا، تو انہیں مجبوراً عیسائیوں کے اس اعتقاد کے جواب میں کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر چڑھائے جانے کے بعد آسمان پر اٹھائے گئے تھے، معراج کو جسمانی شکل میں پیش کرنا پڑا۔" ص ۲۱

چونکہ موصوف کی "جدید دنیا" میں کسی دعویٰ کی دلیل اور سند پیش کرنا خوش اعتقادی کا دوسرا رخ ہے۔ اس لئے اگر آپ یہ سوال اٹھائیں گے، کہ موصوف کو "معلوم یہ ہوتا ہے" کا انکشاف کن ذرائع سے ہوا۔ اور اسکی سند اور دلیل کیا ہے۔؟ تو آپ پھر سے "سندی خوش اعتقادی" میں مبتلا ہو جائیں گے۔ اس لئے خیریت اسی میں ہے، کہ اسلامی عقائد کے بارے میں موصوف کے تمام انکشافات آپ بلا چون و چرا تسلیم کرتے جائیں، "سندی خوش اعتقادی" کے عفریت سے نجات کی بس یہی ایک صورت ہے۔ البتہ یہ خطرہ ضرور ہے کہ قرآنِ مجید سے آپ اسراء اور معراجِ نبوی کا ذکر نے بیٹھیں گے، لیکن اس سلسلہ میں معراج کا صحیح مفہوم جو موصوف نے

ازراہِ عنایت بیان فرما دیا ہے۔ اسے سن کر اطمینان کر لیجئے، فرماتے ہیں:

"قرآن مجید نے کئی جگہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض آفاق گیر روحانی مشاہدات کا ذکر کیا ہے۔ جن میں آپ کی الوہی شخصیت طبعی حدود سے بلند وبالا ہو کر حقیقت اولی کے محیطِ کل سے جاملتی ہے۔" صا۲

اس تفسیر میں آپ کو "آفاق گیر روحانی مشاہدات" "آپ کی الوہی شخصیت"، "طبعی حدود سے اسکی بلندی وبرتری"، "حقیقتِ اولی" اور "محیطِ کل" جیسے مبہم، مجہول، اجنبی بلکہ بعض لایعنی الفاظ اور مفہوم ضرور ملیں گے، لیکن معراجِ جسمانی جیسے بالکل واضح، آسان اور عام فہم مسئلہ کی توہمات پرستی سے نجات پانے کے لئے ضروری ہے۔ کہ آپ موصوف کے اسی لایعنی قسم کے لفظی گورکھ دھندے پر ایمان لے آئیں، ورنہ صدر ادارۂ تحقیقات کی جانب سے خوش اعتقادی کا فتویٰ موجود ہے۔ کیونکہ یہ "جدید دنیا" ہے۔ یہاں قرونِ وسطیٰ کے سکے اور اصول بدل چکے ہیں ——— بریں عقل و دانش بباید گریست۔

موصوف نے توہمات پرستی کو جو شین گن نصب کی ہے، اس کا سارا مسالہ ختم نہیں ہو گیا، ابھی اسکی گولہ باری باقی ہے، ارشاد ہوتا ہے:-

"اسی طرح مسلمانوں کے ہاں شفاعت کے مشہور عام عقیدے نے جو شکل اختیار کی ہے، وہ عیسائیوں کے کفارہ کے عقیدہ کا جواب تھا۔" صا۲

بطور خلاصہ آخری بات یہ کہ:-

"غرض قرآنِ مجید کی واضح تعلیمات کے بالکل برخلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کثیر التعداد معجزات منسوب کر کے آپ میں ایک حد تک شانِ ایزدی پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی تھی۔" صا۲

گویا صرف معراج، کرامت، شفاعت اور معجزات ہی نہیں، یہ تو صرف "ایک مثال" کے بطور ذکر کئے گئے ہیں ورنہ اس اصول کی روشنی میں ان امور کے علاوہ اسلام کے جس جس عقیدہ، عمل، یا مسئلہ کے لئے بھی کسی کا دل چاہے۔ تو "خوش اعتقادی" اور "توہمات پرستی" کا ہلکا سا فقرہ چست کیا جا سکتا ہے۔ رہا یہ سوال کہ بذریعہ معجزات نبی کو خدا بنانے یہ "کامیاب عمل" کس کی ستم ظریفی ہے۔ تمام دنیا کے نمائندوں کی بھری محفل میں اس کا جواب ڈاکٹر صاحب کی زبان سنیئے:

"نبی علیہ السلام کو ایک "اساطیری رنگ" میں پیش کرنے کا یہ عمل جس کا مصدر و منبع ایک سے زیادہ عناصر تھے، "راسخ العقیدہ گروہ" بھی برابر اس میں شریک رہا، اور اسے اس نے قبول کیا۔" صا۲

"راسخ العقیدہ گروہ" یعنی صحابہ و تابعین سے لیکر آج تک کے تمام علماء و صلحاء "خدا سازی" کے اسی شغل میں لگے رہے۔ پوری امت پر "اساطیری رنگ آمیزی" اور "خدا سازی" کا الزام اس "اعجوبہ زمان" کی طرف سے لگایا جا رہا ہے، جو اسی مجلس میں اور اسی مقالہ میں چند سطر پہلے سند کو "خوش اعتقادی" قرار دے اساطیری (بے سند) افسانہ طرازی کرتا ہے، اور آپؐ کی "الوہی شخصیت" کے بے سروپا دعوے ہانکتا ہے۔ ؎ چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد۔

پھر "کثیر التعداد معجزات" اور "شانِ ایزدی" پیدا کرنے کی تک بھی عجیب ہے۔ کیا قرآنِ مجید میں انبیاء علیہم السلام کے کثیر التعداد معجزات کا کہیں ذکر نہیں — ؟ کیا قرآن عزیز بھی ان کے بقول "اساطیری رنگ میں خدا سازی" کی کامیاب کوشش کرتا رہا۔ خدا جانے ان کو کس نے بتلا دیا ہے کہ اگر نبی کیلئے معجزہ کو تسلیم کر لیا جائے، تو نبی خدا بن جاتا ہے۔ کیا ان کو "معجزہ" کی اتنی حقیقت بھی معلوم نہیں کہ معجزہ صرف خدا تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے، نبی کے فعل کو اس میں قطعاً کوئی دخل نہیں ہوتا، البتہ عالمِ اسباب سے بالاتر کسی چیز کا اس کے ہاتھ پر ظاہر ہونا اس کے دعوائے نبوت اور مامور من اللہ ہونے کی حقانیت کی دلیل ہوتا ہے۔

موصوف نے اسلامی تاریخ کی تیرہ چودہ صدیوں کے تمام علماء کی جس طرح تجہیل و تحمیق کی، اس "مذاہب عالم کانفرنس" میں کی اس کا ایک نمونہ اور ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:

"گزشتہ تیرہ صدیوں کے دوران فقہاء یا علمائے اسلام اپنی بحث و نظر میں جن تحقیقاتی نتائج پر پہنچے ہیں، اگرچہ ان کا پوری سنجیدگی و توجہ سے مطالعہ کرنا چاہئے، اور ان کو قرار واقعی اہمیت دینی چاہئے، لیکن اس کے باوجود یہ دیکھنے میں آئے گا، کہ اکثر معاملات میں ان کے تحقیقاتی نتائج یا تو صحیح نہ تھے۔ یا وہ اس معاشرے کے لئے موزوں تھے، جس میں وہ رہتے تھے، نہ کہ آج کے معاشرے کیلئے۔" ص ۲۷

تیرہ صدیوں کے فقہاء اور ائمہ اجتہاد کے تحقیقاتی نتائج کا پوری سنجیدگی اور توجہ سے مطالعہ کرنے کے بعد ان کی قرار واقعی اہمیت اہل نظر کے نزدیک کیا ہو گی —؟ یہ بحث تو اپنی جگہ رہی، البتہ موصوف کے نزدیک ان کی قرار واقعی اہمیت یہی ہے کہ ؎

ایں دفترِ بے معنی غرق مئے ناب اولیٰ — معاذ اللہ

یعنی ان کے عقائد غلط، ان کی تحقیقات محض رنگ آمیزی، ان کا شعور فہم قرآن و سنت کے صحیح مطالعہ سے محروم، ان کی تفسیری، حدیثی، اور فقہی تشریحات ناقابل قبول، ہاں قرآن، سنت

اور اسلام کا صحیح فہم میکگل یونیورسٹی کے طالب علم اور یہودی پروفیسر اسمتھ کے شاگردِ عزیز اور نورِ نظر، اور ان کے اداری رفقار کو نصیب ہوا۔ ان کے بقول یہی اصل وجہ ہے کہ اس گروہ کو ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کی صورت میں منظم کر کے اسلام کی نوک پلک سنوارنے اور اسے جدید زمانہ، یعنی مذاہبِ عالم اور دیگر نظریہ ہائے حیات سے ہم آہنگ کرنے کی خدمت پر مامور کیا گیا ہے۔ چنانچہ اسکی تفصیلی روئداد بھی موصوف نے مذاہبِ عالم کے نمائندوں کے سامنے رکھی، فرماتے ہیں :

" صدر محمد ایوب خاں کی حکومت نے ۱۹۶۰ء میں ایک ادارہ، ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کے نام سے علومِ اسلامی میں تحقیقات اور جدید ضرورتوں کے لئے اسلام کی تعبیر و تشریح کی غرض سے قائم کیا، ۱۹۶۲ء میں اس ادارہ کو ایک آئینی حیثیت دی گئی" صے ۲۶

اسی کے ساتھ موصوف نے " اسلامی مشاورتی کونسل" کے قیام، اس کے اغراض و مقاصد ان دونوں اداروں کے تعلق کی نوعیت کا ذکر کیا، اور ان کے الفاظ میں پہلی آزمائش یعنی مسئلہ سود کے بارے میں " اسلامی مشاورتی کونسل" کے پس پیچھے رویہ پر تنقید کرتے ہوئے اس موقعہ پر " ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی" کی جراتِ رندانہ کا قصیدہ شروع ہوتا ہے۔ ذرا الفاظ کی صولت اور شوکت ملاحظہ فرمائیے، ایسا لگتا ہے کہ آپ ابوحنیفہ اور شافعی کی حیثیت سے نہیں بلکہ دنیائے اسلام کی سب سے بڑی اتھارٹی کی پوزیشن میں مصروفِ گویائی ہیں :

" ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کے " تحقیقی مطالعہ" نے بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عرب میں ربا کا جو واقعۃً نظام مروج تھا، وہ انتہائی بھونڈے قسم کے معاشی استحصال اور لوٹ کھسوٹ کا تھا، اس لئے قرآنِ مجید نے بار بار کی تنبیہات کے بعد اسے ممنوع قرار دیا۔ اور یہ کہ بعد کی صدیوں میں مسلمان فقہار نے غیر ضروری طور پر اس ممانعت کا دائرہ ان تمام مالی معاملات پر کر دیا جن میں کہ اصل رقم پر کچھ اضافہ ہوتا ہو، چنانچہ اس ضمن میں ادارۂ تحقیقات کا استدلال یہ تھا کہ اسلام کو آج بروئے کار لانے کے لئے سب سے پہلے تو یہ لازمی ہے کہ قرآن مجید کے احکامات کا تاریخی پس منظر سمجھا جائے تاکہ اخلاقی، روحانی اور معاشرتی و اقتصادی میدانوں میں قرآنِ مجید کس قسم کی اغراض کی تکمیل چاہتا ہے، ان کا تعین کیا جائے، نیز آج کے سیاق و سباق قرآن کی عملی تطبیق لفظاً نہیں کی جا سکتی" صے ۲۷

حکومت کے قائم کردہ اس آئینی ادارہ کا یہ نقطۂ نظر اور طرزِ تعبیر۔ یعنی تیرہ صدیوں کی

تحقیقات کو غلط قرار دینا، اور قرآن کی لفظی تعمیل کو حماقت بتلا کر، اسلام کی آزادانہ تعبیر و تشریح یا بلفظِ صحیح تحریف و تبدیل کے بارے میں موصوف فرماتے ہیں:

"یہ طریقہ، سب طریقوں سے جنہیں عام طور پر اب تک اختیار کیا گیا ہے، اس قدر انقلابی اور بنیادی لحاظ سے مختلف ہے، کہ یہ نہ صرف فقہ اور سنت نبوی کو بلکہ قرآن مجید کے احکامات تک کو بھی تاریخی مطالعہ کا موضوع بتایا ہے، اسے نہ محض "روایت پرست علماء" بلکہ بہت سے تجدد پسند بھی قبول کرنے سے سنجیدگی کے ساتھ تامل ہی کریں گے" ص۳۸

مطلب یہ کہ تجدد پسندی کے جتنے طریقوں کا اب تک تجربہ کیا گیا ہے، وہ سب جزوی تھے، ان میں اسلام کی بعض چیزوں کو بہرحال تسلیم کر لیا جاتا تھا، لیکن ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے "ذہین کارندوں" نے جو طریقہ درآمد کیا ہے، اس میں فرضی تاریخ کے خیالی افسانوں سے قرآن کے احکام بالفظِ صحیح خود قرآن کو بھی بدلا جا سکتا ہے۔ اس لئے اس کے قبول کرنے کی جسارت لوگوں کو مشکل ہی ہو سکتی ہے۔ ع خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں۔

اس سلسلہ میں موصوف نے اس طریقۂ تحریف کے تبلیغی امکانات کا جائزہ لیتے ہوئے کہا ہے:

"اگر ایسا نہ ہوا تو راقم السطور اسلام کا اس کے سوا اور کوئی مستقبل نہیں دیکھتا کہ وہ کچھ عرصے بعد محض چند مذہبی رسوم بن کر رہ جائے گا، جن سے کہ کچھ آنے والے وقت تک لوگوں کی جذباتی وابستگی قائم رہے" ص۳۹

موصوف خواہ مخواہ پریشان ہیں، ان سے ہماری گذارش یہ ہے، کہ وہ صرف حکومتِ پاکستان کی مدد سے نہیں، بلکہ اگر ان سے ہو سکے تو امریکہ اور روس اور "وسیع تر جدید دنیا" جس کے غم میں وہ پگھل پگھل کر کانٹا ہو رہے ہیں، کی مدد سے بھی اسلام کو بدلیں اس کے لئے جس قسم کے نظریات چاہیں اختراع کریں۔ اور جتنے بندوں کو بہکایا جا سکتا ہے بہکائیں۔ واستفزز من استطعت منهم بصوتك واجلب عليهم بخيلك ورجلك وشاركهم في الاموال والاولاد وعدهم وما يعدهم الشيطان الا غرورا۔

الغرض آپ سے جو ہو سکتا ہے کر لیں، لیکن یاد رہے کہ اللہ دین کا حافظ ہے، دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا چلے گا، اور تعبیر و تشریح امام ابو حنیفہ اور شافعیؒ وغیرہم ہی کی چلے گی، آپ اور آپ کے رفقاء آسمان سے سورج اور چاند بھی لا کر رکھ دیں، تب بھی مسلمان آپ لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ شارع تسلیم نہ کریں گے، نہ ابو حنیفہؒ اور شافعیؒ ماننے کیلئے

تیار ہوں گے۔

یہ اس مقالہ کے چند اقتباسات تھے، موصوف نے اسلامی حکومتوں، بالخصوص حکومتِ پاکستان کے دورخاپن اور منافقت اور متجددین کی بھیڑ میں ذہنی بصیرت کے فقدان اور ان کی مسلسل ناکامیوں کا ذکر بھی بڑی دلسوزی سے کیا ہے، مگر ہم بغرض اختصار انہیں قلم انداز کرتے ہیں۔ البتہ ہمارا خیال ہے۔ کہ موصوف نے اس طویل مقالہ کی نوشت وخواند پر اپنا اور معزز شرکائے کانفرنس کا قیمتی وقت ناحق ضائع کیا، کیونکہ اگر وہ چاہتے تو وہ اس تمام مقالہ کا خلاصہ پیش کر سکتے تھے، مثلاً وہ اتنا لکھ دیتے:

"جنابِ صدرِ محترم! و معزز حاضرین کانفرنس! آپ حضرات یہاں اپنے اپنے مذاہب پر مقالات پڑھیں گے لیکن فقیر بدقسمتی سے جس مذہب کا وکیل بن کر حاضر ہوا ہے۔ اس کا ماضی سیاہ، حال پریشان اور مستقبل خطرناک حد تک تاریک ہے، ماضی کا یہ حال کہ تمام اسلامی عقائد مثلاً معجزہ، کرامت، شفاعت، معراج وغیرہ شروع ہی سے توہم پرستی کا پلندہ ہیں۔ اور اسلامی قانون اور معاشرت کا یہ حال ہے، کہ تعدد ازواج، مسئلہ غلامی، جزیہ اور اقلیتوں کے حقوق جیسے موٹے موٹے مسائل میں بھی ہمارے تیرہ صدیوں کے علماء قرآنی روح کو سمجھنے، اسے اپنانے اور اسے رنگ آمیزی سے جدا رکھنے سے محروم رہے، اب ان کی کس بات پر اعتماد کر لیا جائے ——— اور اسلام کا حال یہ ہے، کہ موجودہ دور کی تمام مسلم حکومتیں دورخے پن اور منافقت کی شکار ہیں، تجدد پسند بصیرت کے فقدان میں مبتلا ہیں، اور قدامت پسند اپنے طرزِ عمل سے سیکولرزم کے داعی ہیں۔ اس پریشان کن صورتِ حال سے گھبرا کر ہمارے صدرِ محترم نے اسلام کو تعبیر و تاویل اور تحریف و ترمیم کے ذریعے زمانۂ جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کیلئے ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کی تنظیم میں فقیر اور فقیر کے ہم مسلک رفقاء کو مامور فرمایا ہے۔ ہم نے اس "انقلابی تعبیر" کا ذریعہ بھی تلاش کر لیا ہے۔ لیکن خدشہ یہ ہے۔ کہ قدیم و جدید دونوں حلقوں کی جانب سے اسکی مخالفت کی جائے گی، اسلئے اے شرکائے کانفرنس! خدارا دنیا بھر کے مسلمانوں سے اپیل کرو کہ وہ ہماری ان بری بھلی تحقیقوں کو بہرحال قبول کریں ورنہ اسلام کا مستقبل خطرہ میں ہے۔"

تبلائیے! کیا اس خلاصہ میں تمام مقالہ نہیں آگیا۔؟ مدیر فکر و نظر راوی ہیں۔ دروغ برگردنِ راوی۔ کہ اس مذاکرہ میں ایک مقالہ چینی مذاہب پر پڑھا گیا، ڈاکٹر فضل الرحمٰن اس مقالہ پر تبصرہ کرنے

والوں کے بورڈ کے ایک رکن تھے، چینی مذاہب کے ضمن میں چین کے موجودہ کیمونزم کا بھی ذکر آیا، اس سلسلہ میں ڈاکٹر فضل الرحمان نے چینی کیمونزم کے بارے میں کہا کہ آج یہ تمام مذاہب کے لئے سب سے بڑا اور کامیاب چیلنج ہے۔" مدیر فکر و نظر بیچارے سیدھے آدمی ہیں، ڈرتے ڈرتے چبا چبا کر بات کرتے ہیں۔ ورنہ ڈاکٹر صاحب کو اسلام سے جس قسم کی عقیدت اور وابستگی ہے، جس کا اظہار اسی مقالہ کے مندرجات سے بخوبی ہو جاتا ہے، اسے سامنے رکھیئے تو اسلام کے مقابلہ میں ڈاکٹر صاحب چینی کیمونزم کو کیا، بھارت کے سکھ ازم اور سیکولرزم کو بھی بڑی آسانی سے "سب سے بڑا اور کامیاب چیلنج" قرار دے سکتے ہیں۔ کیونکہ ان میں بھی مشکلات بہرحال اتنی نہیں جتنی ڈاکٹر صاحب کو اسلام میں پیش آ رہی ہیں۔ کیونکہ نہ ہو، ڈاکٹر صاحب جیسے ذہین آدمی کو اپنے مذہب کی اتنی ہی کامیاب وکالت کرنی چاہیئے تھی۔

گربہ میر و سگ وزیر و موش را دیوان کنند

ایں چنیں ارکانِ دولت ملک را ویران کنند

بقیہ: دیارِ عرب

مشغول تھے۔ امام غزالی روئے اور فرمایا کہ افسوس علم پر ایسا زوال آیا کہ بیت المقدس میں درس کے صرف دو سو حلقے پائے جاتے ہیں۔ امام غزالی نے اپنے وقت میں دو صد حلقہائے درس کو کم سمجھا اور روئے، اور آج صحیح معنوں میں ایک بھی حلقہ درس یہاں نظر نہیں آتا۔ لیکن دین کی اس حالتِ زار پر کوئی رونے والا نہیں ہے۔

جمعہ کی نماز ہم نے مسجد اقصیٰ میں پڑھی۔ خطیب نے خطبہ میں شاہ حسین کی درازیٔ عمر اور بقاء سلطنت کے لئے دعائیں مانگیں اور مؤذن نے بآوازِ بلند آمین کہا ——— یہ دعائیں سن کر یوں محسوس ہونے لگا کہ ہم اس قدیم زمانے میں ہیں جس میں بادشاہ وقت کی درازیٔ عمر اور بقاء سلطنت کے لئے دعائیں مانگنا جمعہ کے خطبوں کا جزو لاینفک تھا۔

جمعہ کی نماز کے بعد مصطفیٰ ابوطیر صاحب سے اتفاقاً ملاقات ہو گئی۔ یہ قدس کے قریب "صور باھر" نامی بستی کے باشندہ ہیں۔ اور جامعہ میں ہمارے ساتھی رہ چکے ہیں۔ ان کی معیت میں ہم نے حرم کے بعض مقدسات دوبارہ دیکھے۔ مسجد اقصیٰ کی بعض تفصیلات جو ہم معلوم نہیں کر سکے تھے انہوں نے بتلا دیں۔ چنانچہ اقصیٰ قدیم، محراب زکریا، جامع عمر، اور جدار براق وغیرہ کی نشاندہی انہوں نے ہی کر دی۔ ابوطیر صاحب یہ وعدہ کر کے چلے گئے کہ کل آکر وہ ہمیں خلیل الرحمٰن اور بعض دوسرے مقامات کی زیارت کرائیں گے ——

(باقی آئندہ)

قبۂ خضراء

—— از جناب مولانا قاضی عبد الصمد صاحب سربازی قلات ——

منبع جود و سخا مظہر فیضان اینجاست
مطلع نور و ضیاء نیّر تاباں اینجاست

رحمت عالمیاں صفوت جن و انسان
مفخر ہر دو جہاں مہتر شاہاں اینجاست

سیّد جملہ بشر شافع یوم محشر
خاتم جملہ رسل مورد فرقاں اینجاست

آنکہ شاہان جہاں فخر غلامش کنند
کمترین چاکر دے سرور سلطاں اینجاست

آنکہ در عشق جمالش شدہ صدہا مجنون
آن پری چہرہ سمن بر شبہ خوباں اینجاست

ہمچو یعقوب ز ہجرش شدہ ام دیدہ سفید
آن دلارام جہاں شاہد کنعان اینجاست

جگرم خون شدہ چون نافہ ز ہجر رخ زد
آن کماں ابرو و مہ رو گل خنداں اینجاست

جعد مشکیں و سلسل کہ کمند دلہا است
قد دلجوی ہمیں سرو خراماں اینجاست

وصف چشم رخ و زلفش ز من زار مپرس
نرگس و سرخ گل و سنبل و ریحاں اینجاست

بلبل سوختہ دل زار چرا می نالی!
منظر غنچہ و گل روضۂ رضواں اینجاست

شرط عشق است ہمی سوزم و آہے نکشم
ہمچو پروانہ برش شمع شبستاں اینجاست

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا کہ از وست
رہبر خضر ہمیں شاہ سلیماں اینجاست

زلف سودا رخ بیضا قد زیبا دارو
معجزہ بین کہ شب و مہر درخشاں اینجاست

چشم گریاں دل بریاں تن لاغر دارم
آنکہ دردش ہمہ بیماں شدہ درماں اینجاست

آں حبیب عربی چوں بشکر خندہ رود
معدن دُر و گہر لعل بدخشاں اینجاست

ہمچو لالہ ز غمش سینہ بداغ است بلوچ
گر بظاہر شدہ محجوب بہ پنہاں اینجاست

بین کہ بسمل شدہ سربازی ازیں درد و فراق
مورد روح رواں راحت جاناں اینجاست

○

مدرج رومانی

آج صبح ہم "مدرج رومانی" دیکھنے گئے۔ "مدرج رومانی" عمان میں رومانی عہد کا مشہور قدیمی اثر ہے۔ یہ اس زمانے کا ایک تھیٹر ہے، جو پہاڑ کے دامن میں ایک بہترین محلِ وقوع میں واقع ہے۔ گول دائرے کی شکل میں اس کی چڑھتی ہوئی سیڑھیاں بیک وقت چھ ہزار سے زائد تماشائیوں کے لئے کافی ہیں۔ آج کل اس "مدرج" کو بعض خصوصی جلسوں اور اجتماعات کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ہمارے عمان پہنچنے سے ایک دن قبل اس میں رابطۃ العلوم الاسلامیہ کیطرف سے سیرت النبیؐ کا جلسہ منعقد ہوا تھا۔

اس "مدرج" کے اطراف و جوانب میں پہاڑ کو تراش تراش کر رومیوں نے جو مکانات بنائے ہیں وہ آجکل محکمہ آثارِ قدیمہ کے دفاتر کے کام لائے جا رہے ہیں۔ ہم ان دفاتر میں بھی گئے۔ اصحاب کہف کے غار، جسکا حال ہی میں اس محکمہ نے انکشاف کیا ہے، سے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے مدیر محکمہ کے فنی مساعد رفیق وفا الدجانی صاحب سے ملنے کا خاص طور پر شوق تھا۔ لیکن سوءِ اتفاق سے وہ "نابلس" گئے ہوئے تھے۔ محکمہ کے دوسرے ملازمین نے ہمیں دیکھ کر عربی عادات کے مطابق بڑی گرمجوشی سے "اھلا و سھلا، مرحبا بالضیوف الکرام" کے کلمات بار بار دہرائے، ہمیں بٹھایا اور بڑی عزت، اکرام اور تواضع سے پیش آتے ہوئے

ہمارا شکریہ ادا کیا کہ ہم نے یہاں آکر ان کو ملاقات اور خدمت کا موقعہ دیا۔ ایک عیسائی خاتون اس استقبال میں سب سے زیادہ پیش پیش تھی۔ اس نے پوچھا کہ آپ شربت پینا پسند کریں گے یا چائے۔؟ ہم نے اول تو معذرت کی، لیکن بالآخر اس کے مسلسل اصرار سے مجبور ہو کر شربت پینا قبول کرلیا۔ بظاہر حکومت کی طرف سے اس محکمہ کے ملازمین کو زائرین کے ساتھ اس خوش اسلوبی کے کے ساتھ پیش آنے کی خصوصی ہدایات ہیں ـــــ مردوں کے دوش بدوش عورتوں کو بھی اس قسم کے امور اور فرائض سونپنے کی وباء سارے اسلامی ممالک کو لپیٹ میں لے چکی ہے، جس کا سبب مغرب کی حیوانی تہذیب کی اندھی تقلید ہے۔

اصحاب کہف کا غار

رفیق وفا الدجانی صاحب کے موجود نہ ہونے کی صورت میں ہم نے اس غار سے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے انکی تالیف کردہ کتاب "اکتشاف کہف اہل الکہف" جو ہمیں دجانی صاحب کے دفتر سے دستیاب ہو گئی مطالعہ کرنے پر اکتفا کرلیا۔ نیز محکمہ کے دوسرے ملازمین نے بھی کچھ ابتدائی معلومات فراہم کیں۔

یہ غار عمان سے پانچ میل کے فاصلہ پر "رجیب" نامی بستی کے قریب واقع ہے: "قریۂ سحاب" کو جانے والی بسیں اس کے قریب سے ہوتے ہوئے گذرتی ہیں ـــــ ہم ٹیکسی پر سوار ہو کر غار پہنچے۔ چوکیدار غار کا دروازہ بند کرکے کہیں چلا گیا تھا۔ اس کے گھر والوں نے دور سے ہمیں دیکھا اور چند منٹوں میں اس کی دو چھوٹی بچیاں چابی لیکر پہنچ گئیں اور ہمارے لئے غار کا دروازہ کھول دیا۔

یہ کافی کشادہ غار تھا۔ اس کے اندر چند مصلے اور قرآن مجید رکھے گئے تھے۔ ہم نے دو رکعت نماز نفل پڑھی اور قرآن مجید کی ان آیتوں کی تلاوت کی جن میں اصحاب کہف کا قصہ بیان ہوا ہے۔ اس موقعہ پر ان آیات کی تاثیر سے قلب کی کیفیت بالکل دگرگوں تھی۔ واقعی اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اپنے ان نیک بندوں کو جنہوں نے باطل کے مقابلہ میں حق پر ڈٹ کر خرق عادت صبر و استقامت کا ثبوت دیا ہے، ایسے ہی خرقِ عادت انعامات و اکرامات سے نوازا ہے۔

اس غار کے اوپر ایک مسجد اور ایک اس کے سامنے بنی ہوئی ہے۔ یہ مسجد بعد کے مسلمان بادشاہوں نے اس نصرانی معبد کی جگہ پر بنوائی ہے جسکا ذکر قرآن مجید نے "لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِم مَّسْجِدًا" کے الفاظ میں کیا ہے۔ غار چونکہ جنوب رو ہے، اس لئے دھوپ اس میں داخل نہیں ہو سکتی اور یہی وہ وصف ہے جو قرآنِ مجید نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے: وترى الشمس اذا طلعت تزاور عن کهفهم ذات اليمين واذا غربت تقرضهم ذات الشمال۔ (اور تو دیکھے دھوپ جب نکلتی ہے

بچ کر جاتی ہے ان کی کھوہ سے داہنے کو اور جب ڈوبتی ہے کترا جاتی ہے ان سے بائیں کو)

دجانی صاحب نے اپنی کتاب "الکتشاف کہف اصحٰب الکہف" میں اس غار کی فنی کھدائی کی وہ پوری داستان قلمبند کی ہے جسکی روشنی میں آثارِ قدیمہ کے یہ ماہرین اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اصحاب کہف کے غار کے محل وقوع کے بارے میں جو متعدد روایات تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ ان میں صحیح روایت وہی ہو سکتی ہے۔ جو اس غار کا محل وقوع عمان کے قرب وجوار میں بتلاتی ہے۔ شہر افسس یا بعض دوسرے مقامات میں اصحاب کہف کیطرف منسوب جو غار پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی غار ایسا نہیں ہے جسکا اکتشاف اتنی علمی تحقیق اور ایسی فنی بحث و تنقیب پر مبنی ہو۔ بلکہ برعکس اس کے ان غاروں میں بعض وہ ضروری علامات مفقود ہیں۔ جن کا اصحاب کہف کے غار میں از روئے قرآن پایا جانا ضروری ہے۔ چنانچہ دجانی صاحب نے دقیق علمی تقابل کرتے ہوئے کئی وجوہ سے "کہف افسس" وغیرہ کا غارِ اصحاب کہف ہونا تحقیق کے خلاف ثابت کیا ہے۔

جمعرات ۷ر جولائی ۱۹۶۶ء

قلعہ عمان اور اس کا عجائب خانہ

عمان کے قابل دید مقامات میں سے ایک عمان کا قدیم ترین قلعہ ہے۔ یہ قلعہ گو زیادہ دور نہیں۔ لیکن سہولت کے لئے ہم ٹیکسی پر سوار ہو کر گئے۔ یہ شہر کے شمال مشرق میں واقع ہے۔ اس کے اردگرد تمام اطراف میں سوائے شمالی جانب کے خندق کھدی ہوئی ہے۔ نیز اس کے اردگرد پہاڑیوں پر کھنڈرات پائے جاتے ہیں۔ جو بظاہر ان سلسلہ وار قلعوں کے اجزاء ہیں۔ جو شہر کی حفاظت اور دفاع کیلئے اس کے اولین بانیوں "عمونیوں" نے تعمیر کرائے تھے۔

عمان کا عجائب خانہ اسی قلعہ میں واقع ہے، اس عجائب خانہ میں ارض اردن کے وہ قدیم آثار رکھے گئے ہیں۔ جو ماہرین آثار کی مسلسل وپیہم کوششوں کے بعد یہاں دریافت ہوئے ہیں۔ ان آثار میں مختلف عہدوں کے سکے، کتبے، نقوش، مجسمے، برتن، حیوانات کی ہڈیاں اور دوسری کئی چیزیں پائی جاتی ہیں۔ عجائب خانہ میں بہت ہی قدیم زمانے کی ایک قبر بھی منتقل کر دی گئی ہے، جس سے اس زمانے کی تدفین وتکفین کی رسوم وتقالید پر روشنی پڑتی ہے۔ یہ قبر ایک گنبد نما کمرے کی شکل ہے جس میں ایک خاندان کے کئی افراد چھوٹے بڑے اور مرد وزن یکے بعد دیگرے دفن کر دئے گئے ہیں۔ ہر مردے کے سامنے میز پر اسکی خورد و نوش کا سامان

پڑا ہوا ہے۔ خورد و نوش کی ان چیزوں میں خاندان کے افراد کے مراتب کے اعتبار سے تفاوت کا خیال رکھا گیا ہے۔ ماہرین آثار نے یہ بوسیدہ اور خاک شدہ ہڈیاں اور قبر کی دوسری چیزیں عجائب خانہ میں منتقل کر کے بالکل اسی ترتیب کے ساتھ اصلی قبر کا ماڈل بنا کر اس میں رکھ دی ہیں۔

بحرمیّت کے مخطوطات

عجائب خانہ کے عجائبات میں ہم نے بحرمیّت کے مخطوطات بھی دیکھے۔ آج سے دو ہزار سال قبل کے یہ مخطوطات علمی دنیا میں بڑی قدر و قیمت رکھتے ہیں۔ امریکہ اور یورپ کے مختلف ملکوں میں متعدد بار ان کی نمائش کرائی گئی ہے۔ اور اب بھی وقتاً فوقتاً مختلف مناسبات میں ان کی نمائش ان ملکوں میں کرائی جاتی ہے۔

ان مخطوطات کے انکشاف کا قصہ بھی عجیب ہے۔ ایک چرواہا اپنی گمشدہ بکری کی تلاش میں بحرمیّت کے کھنڈرات کے قریب ایک پہاڑ کا چکر لگا رہا تھا۔ چلتے چلتے وہ ایک ایسی چٹان پر جا پہنچا جس کے نیچے ایک بڑا غار تھا۔ چرواہے نے ایک پتھر اٹھا کر اس غار میں پھینک مارا۔ اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ جبکہ اس کو ایسی آواز سنائی دی جیسا کہ کوئی مٹکا ٹوٹ گیا ہو۔ وہ اس گمان پر کہ اس نے کسی قیمتی خزانے کا سراغ لگا لیا۔ خوشی کے مارے کپڑوں میں نہیں سمایا جا رہا تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو پکارا، وہ آئے اور اس کے ساتھ غار میں داخل ہو گئے۔ چرواہے کا اتنا خیال تو صحیح ثابت ہوا کہ اس غار میں کوئی مٹکا موجود ہے۔ لیکن مٹکے میں بھرا کیا تھا؟ نہ سونا تھا، نہ چاندی، یہ چمڑے کے پرانے اور بوسیدہ ٹکڑے تھے جو چرواہے اور اس کے ساتھیوں کے لئے کسی کام کے نہ تھے۔ ان کی امیدوں پر پانی پھر گیا، اور انتہائی مایوسی کے عالم میں واپس چلے گئے ــــــ حکومت کو اس بات کا علم ہوا۔ اور یہ جگہ اپنی حفاظت میں لے لی۔ ماہرین آثار کو بلایا گیا۔ چمڑے کے یہ بوسیدہ ٹکڑے جو چرواہے نے کسی قیمت کے بھی نہیں سمجھے ماہرین آثار کے لئے سونے چاندی سے بڑھ کر قیمتی خزانہ ثابت ہوئے۔ انہوں نے اس قرب و جوار میں اور غاروں کی کھدائی کی اور مزید اس قسم کے بیش بہا تاریخی مخطوطات کا سراغ لگا لیا۔ ان مخطوطات میں سے کچھ بطور نمونہ قدس اور کچھ عمان کے عجائب خانوں میں رکھ دئے گئے ہیں۔[1]

عمان کی دلشکن فضا

خیال تھا کہ عمان میں چار پانچ دن ضرور رہیں گے لیکن شہر کے اہم اور قابل دید مقامات دیکھنے کے بعد ہمارے لئے انس کا کوئی

---

[1] ترجمہ از کتاب "حقائق و معلومات" بادنیٰ تصرف

سامان باقی نہیں رہا۔ برعکس اس کے یہاں کی فضاء سے طبیعت کچھ مکدر سی ہو گئی۔ یہاں کی فحاشی اور عریانی تو کوئی ایسی چیز نہ تھی جس کا اندازہ ہم پہلے سے نہ لگا چکے ہوں۔ جس چیز نے ہمیں زیادہ دل برداشتہ کیا۔ وہ یہاں کے لوگوں کا ہمارے لباس اور ڈاڑھیوں کو نہ صرف تعجب کی نگاہ سے دیکھنا بلکہ ایک گونہ مذاق اڑانا تھا۔ ہم نے بارہا محسوس کیا۔ کہ یہ لوگ ہمیں دیکھ کر ایک دوسرے کو آنکھوں سے اشارے کرنے لگتے ہیں، بسا اوقات بچے مذاق کے طور پر مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دیتے ہیں۔ گویا کہ ہم اپنے لباس اور چہروں پر ڈاڑھی ہونے کی وجہ سے ایک عجیب و غریب نمونہ کے انسان ہیں جو ان کے شہر میں وارد ہوئے ہیں۔

ڈاڑھی کے ساتھ یہاں کے لوگوں کا یہ معاملہ دیکھ کر مجھے جامعہ کے ایک اردنی دوست کی ایک بات یاد آگئی۔ ایک دفعہ جامعہ کے مدیر تعلیم نے اس کو ڈانٹ کر کہا کہ تمہیں اگر یہاں رہنا ہے تو ڈاڑھی ضرور رکھنی پڑے گی۔ اس نے جواب میں کہا کہ جامعہ کے نظام کا احترام کرتے ہوئے میں ڈاڑھی رکھ لوں گا، لیکن ایسی ڈاڑھی سے آخر فائدہ کیا جو موسم گرما کی تعطیلات میں عمان کے ایرپورٹ ہی پر دوبارہ مونڈھ لی جائے۔؟ اور یہ اس لئے کہ اردن کی فضا میں ہمارے لئے ڈاڑھی رکھنا ممکن نہیں ہے۔

ایک پر لطف مجنون سے واسطہ

عمان شہر میں ڈاڑھی کے اس شدید فقدان کے باوجود آج جب میں ظہر کی نماز پڑھنے کے لئے مسجد جا رہا تھا، تو ذرا دور سامنے سے ایک ڈاڑھی والا شخص فٹ پاتھ پر خراماں خراماں آتا ہوا نظر آیا۔ میں خوش تھا کہ برادری کا ایک آدمی تو مل گیا، لیکن آدمی جب قریب آیا تو اس کی چال ڈھال اور بری حالت سے صاف عیاں تھا کہ وہ پاگل ہے۔ پاگل بھی کس لطف کا پاگل تھا! اس نے بالکل قریب آکر جب مجھے دیکھا تو بڑی متانت اور سنجیدگی کے انداز میں مجھے مخاطب کر کے کہنے لگا کہ:

مرحبا یا مجنون۔ (خیر سے آئے دیوانے) اور یہ کہہ کر اپنی رفتار جاری رکھتے ہوئے استغراق کے عالم میں اسی طرح ڈوبا ہوا چلا گیا۔ اس مجنون نے مجھے مجنوں کیوں سمجھا۔؟ غالباً اس لئے کہ لباس پوشاک اور وضع قطع کے اعتبار سے اس نے مجھے شہر کے دوسرے لوگوں سے مختلف پایا سے

خرد کا نام جنوں رکھ لیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

قدس کو روانگی اور دریائے اُردن پر عبور

ایسی فضا سے دل برداشتہ ہو کر ہم نے آج ہی قدس جانے (یروشلم) کا فیصلہ کر لیا۔ اور ظہر کی

نماز پڑھ کر اس مبارک شہر کیلئے رخت سفر باندھا جو مکہ اور مدینہ کے بعد کئی اسلامی مقدسات کو اپنی آغوش میں لینے کی وجہ سے مسلمانانِ عالم کا مرکز توجہ ہے۔

عمان سے قدس تک کا رستہ ہم نے بس پر سوار ہو کر کوئی ڈیڑھ گھنٹے میں طے کیا۔ دریائے اردن پر ہمارا عبور ہوا۔ یہ وہ دریا ہے جسکا پانی موڑ کر اسرائیلی مزید لاکھوں یہودیوں کو درآمد کرنے کے لئے خشک صحرا کو آباد کرنے کا انتظام کر سکا ہے۔ اردن کی زمین کو سیراب کرنے کیلئے اب اس میں بہت تھوڑا پانی رہ گیا ہے۔ اسرائیلی حکومت اپنی مجرمانہ سکیم کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کیلئے مسلسل کئی سال تک مصروف عمل رہی۔ عرب ممالک پر یہ بات اچھی طرح عیاں تھی۔ عربی صحافت لگاتار چیختی رہی، عرب ممالک کا ریڈیو اور خاصکر قاہرہ ریڈیو مسلسل دھمکیاں سناتا رہا۔ جب کام قریب الاختتام ہونے لگا، تو بڑے پیمانے پر قاہرہ میں عرب سربراہوں کی کانفرنس بلائی گئی۔ اس مسئلہ کو خفیہ اور علانیہ اجلاس میں خاص طور پر اٹھایا گیا۔ سادے عوام امید سے وابستہ تھے کہ گرجنے والے کبھی تو برسیں گے بھی۔ لیکن نتیجہ اس سے زیادہ نہ نکلا کہ:

"نشستند و گفتند و برخاستند"

بحیرۂ لوط

قدس جاتے ہوئے ذرا دور سے بحیرہ لوط نظر آیا۔ کہا جاتا ہے، کہ لوط علیہ السلام اور ان کی قوم اس بحیرہ کے قریب آباد تھی۔ اس بحیرہ کا علمی اور مشہور نام بحر میّت ہے۔ اور یہ اس لیئے کہ اس میں مچھلیاں یا دوسرے جاندار نہیں پائے جاتے۔ اس بحیرہ میں معدنیات اور کیمیاوی مواد کا عظیم ذخیرہ پوشیدہ ہے جسکی مالیت ماہرین کی تخمین کے مطابق اربوں روپیے تک پہنچتی ہے۔ ان قدرتی ذخائر کو کام میں لانے کے ابتدائی تجربے کے طور پر عرب ممالک کی مساہمت سے ایک کارخانہ قائم کر دیا گیا ہے جس نے ابتدائی کام شروع کر دیا ہے۔ بحر میّت کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ یہ دنیا بھر میں سطح سمندر سے سب سے نیچی جگہ ہے۔

شام چار بجے کا وقت تھا کہ ہماری بس قدس پہنچ گئی بسوں کے اڈے پر مزدور اچک اچک کر ہمارا سامان اٹھا لینا چاہتے تھے۔ یہ مزدور زیادہ تر کمسن فلسطینی لڑکے تھے۔ ایک دو بچوں نے بغیر کہے ہمارا سامان بس کی چھت سے اتار دیا جب میں نے ان کو اس تصرف پر ڈانٹا تو ان میں سے ایک نے کہا کہ : نحن اهل القران متلكم (ہم آپ کی طرح قرآن والے یعنی مسلمان ہیں۔) اس بچے کا لب ولہجہ اس مختصر جملے کی شرح خود کر رہا تھا۔ اس کے کہنے کا مقصد یہ تھا۔ کہ ہم اور آپ ایک اسلام کے رشتہ میں منسلک ہیں۔ اس لئے ہم اپنے ہم پیشہ اہل انجیل یعنی عیسائی مزدور

بچوں کے مقابلہ میں زیادہ حقدار ہیں۔ کہ آپ کام کا موقعہ دے کر ہماری مدد کریں ـــــ اس بات سے ایک نتیجہ میں نے یہ نکالا کہ قدس میں مسلمان اور عیسائی اسطرح مل کر رہتے ہیں، کہ بسا اوقات تمیز مشکل ہو جاتی ہے۔ اور خود کو مسلمان ظاہر کرنے کے لئے اس تصریح کی ضرورت پڑتی ہے کہ میں مسلمان ہوں۔

انہی دونوں بچوں سے سامان اٹھوا کر ہم "فندق الہاشمی" میں گئے۔ حرم سے قریب تر ہوٹل یہی ہے۔ لیکن اس اضافی قرب کے باوجود یہ حرم سے کم ازکم دو ڈھائی فرلانگ کے فاصلہ پر واقعہ ہوگا۔ بازار اور اس کے بعد تنگ اور پُرپیچ گلیوں سے گذر کر حرم جانا پڑتا ہے۔ ہم نے پونے دینار میں تین چار پائیوں کا کمرہ کرایہ پر لے لیا اور ذرا سستانے کے بعد حرم روانہ ہو گئے ـــــ

حرم اور اس کے مقدسات

حرم کا اطلاق چار دیواری کے اندر اس وسیع علاقے پر ہوتا ہے جس میں مسجد اقصیٰ، مسجد صخرہ، جدار براق، حبس سلیمان، اصطبل سلیمان اور کئی دوسری چیزیں واقع ہیں۔ حرم کے چودہ دروازے ہیں، جن میں سے دس کھلے رہتے ہیں۔ ہم جس دروازے سے داخل ہوئے بطلِ حریت مولانا محمد علی جوہر کی قبر اس کے قریب واقع ہے۔ ہم نے مرحوم کے لئے مغفرت کی دعائیں مانگیں اور اس کے بعد مسجد اقصیٰ میں چلے گئے۔

مسجد اقصیٰ

جس مقام کی عظمت و تقدس قلب میں جاگزیں ہوتی ہے، اسکو پہلی بار دیکھ کر عموماً دل پر ایک ناقابل بیان کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ یہ کیفیت اگر میرے قلب پر آج سے چار سال قبل خانہ کعبہ اور روضہ مطہرہ کی اولین زیارت سے طاری ہوتی تھی تو آج مسجد اقصیٰ میں داخل ہو کر طاری ہو گئی ہے۔ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا رات کے ایک محدود حصہ میں مکہ مکرمہ سے بیت المقدس پہنچ جانا اور پھر یہاں سے ہفت آسمان کی سیر کرتے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچ کر اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونا تاریخ اسلام کا کتنا عظیم باب ہے۔ جو اس خطۂ ارض سے وابستہ ہے۔ اسرار و معراج کی پوری داستان گویا کہ مجسم بن کر یہاں نظر آنے لگی۔

مسجد صخرہ

عصر کی نماز مسجد اقصیٰ میں پڑھ کر ہم صخرہ میں گئے۔ یہ مسجد مسجد اقصیٰ کے تقریباً بالمقابل اس چٹان کے ارد گرد مثمن شکل میں واقع ہے جسکا ذکر قصہ معراج

کی بعض روایات میں آتا ہے۔ مسجدہ صخرہ کی عمارت باجماع مورخین دنیا کی خوبصورت ترین عمارتوں میں سے ایک ہے، یہ اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان نے ۷۲ھ میں تعمیر کرائی تھی۔ مصر کا خراج مسلسل سات سال تک اس کیلئے وقف رہا۔ عمارت مکمل ہو جانے کے بعد ایک لاکھ دینار اس فنڈ سے بچ گئے۔ جو اس مسجد کے اخراجات کے لئے مخصوص کر دیا گیا تھا۔ خلیفہ نے ان دیناروں کو ڈھال کر اس کی چادریں مسجد کے گنبد اور دروازوں کو چڑھا دیں۔

صلیبی لڑائیوں میں جب قدس پہ عیسائیوں کا قبضہ ہوا تو یہ مسجد انہوں نے گرجے میں تبدیل کر دی۔ صلاح الدین ایوبی نے جب قدس کو آزاد کرایا تو مسجد صخرہ سے عیسائی اثرات کو ختم کر کے اس میں کئی اصلاحات بھی کرا دیں۔ اس کے بعد مختلف ادوار میں ملوک و سلاطین اس میں حسب ضرورت اصلاحات کرتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ ۱۹۶۷ء کی جنگ فلسطین میں یہودی توپوں کی زد میں آنے کی وجہ سے مسجد کی دیواروں اور ستونوں کو کافی نقصان پہنچا۔ چنانچہ ان آخری اصلاحات کیلئے اعلیٰ سطح پر ایک بین الاسلامی مجلس قائم کر دی گئی اور تمام عرب اور اسلامی ممالک کی مشارکت سے اردن کے موجودہ بادشاہ شاہ حسین کے دور میں یہ اصلاحات پایۂ تکمیل تک پہنچیں ___

حبس سلیمان اور اصطبل سلیمان

مسجد صخرہ کے بعد ہم حبس سلیمان اور اصطبل سلیمان دیکھنے گئے۔ عوام کا عقیدہ ہے۔ کہ حبس سلیمان وہ جیل خانہ ہے جس میں سلیمان علیہ السلام نافرمان جنوں کو قید کر کے سزا دیا کرتے تھے اور اصطبل سلیمان میں سلیمان علیہ السلام کے گھوڑے باندھے جاتے تھے۔ یہ اصطبل تنگ و تاریک زمین دوز گلی کی شکل میں ہے۔ اس کی دیواروں میں بہت ہی طویل و عریض اور وزنی پتھر لگے ہوئے ہیں۔ عوام کا خیال ہے کہ اتنے بڑے بڑے پتھر جنات ہی کے ذریعہ ان دیواروں میں لگائے جا سکتے ہیں۔

جمعہ ۸ر جولائی ۱۹۶۶ء

کنیسۃ القیامہ

آج ہم نے "کنیسۃ القیامہ" دیکھا۔ یہ عیسائیوں کا وہ مقدس گرجا ہے جس میں ان کے حسب عقیدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر موجود ہے۔ ان کا عقیدہ ہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر اٹھائے جانے سے قبل چودہ۱۴ مراحل سے گذرے تھے جن میں آخری مرحلہ صلیب اور اس کے بعد قبر کا ہے۔ یہ مراحل چونکہ زیادہ تر اسی کنیسہ کی زمین پہ پیش آئے اس لئے اس کنیسہ کو سب مسیحی فرقوں کے نزدیک ایک خاص شرف اور قداست حاصل ہے۔

ہر مسیحی فرقہ نے اس کے ایک مخصوص اور محدود حصے کی خدمت اپنے ذمہ لی ہے۔ کنیسہ کے مختلف حصوں میں چودہ مراحل کی من گھڑت داستان کو تصویروں اور مجسموں کی صورت میں ظاہر کر دیا گیا ہے۔

جامع عمر امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جب قدس میں تشریف لائے تھے، تو انہوں نے من جملہ دوسرے مقامات کے "کنیسۃ القیامہ" بھی دیکھا۔ حضرت عمرؓ نے جب نماز پڑھنے کے لئے کنیسہ سے باہر نکلنا چاہا تو کنیسہ کے پادریوں نے کہا آپ یہاں بھی نماز پڑھ سکتے ہیں، لیکن حضرت عمرؓ نے کنیسہ میں نماز پڑھنا گوارا نہیں کیا اور فرمایا مجھے خطرہ ہے کہ مسلمان اس فعل کو حجت بنا کر کنیسہ میں عبادت کو اپنا حق سمجھنے لگیں گے۔ چنانچہ باہر نکل کر کنیسہ سے چند قدم کے فاصلہ پر انہوں نے نماز پڑھی۔ اس جگہ پر بعد میں جو مسجد بنا دی گئی جو جامع عمر کے نام سے معروف ہے۔

معہد اسلامی اس کے بعد ہم معہد اسلامی دیکھنے گئے۔ یہ معہد حرم کی حدود میں واقع ہے۔ اور بظاہر اردن میں یہ واحد ثانوی اسلامی مدرسہ ہے۔ معہد کے مدیر اور اساتذہ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے ہمیں معہد کے نصاب اور طریقہ تعلیم سے متعارف کرتے ہوئے کہا کہ ہم نے جدید اور قدیم دونوں علوم کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اس میں کافی حد تک کامیاب ہیں۔ میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ ان سے کہوں کہ اسی معہد کے سند یافتہ طالب علم ہمارے ساتھ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں شریکِ تعلیم رہے ہیں۔ ان میں سے ہم نے کوئی ایک بھی ایسا نہیں پایا جو جدید یا قدیم میں مہارت تو کیا معمولی صلاحیت بھی رکھتا ہو ——

ہم نے بھی اپنے ہاں کے اسلامی مدارس کے نصاب اور نظام تعلیم سے ان کو متعارف کیا۔ ان کو یہ معلوم ہو کر انتہائی تعجب ہوا کہ ہمارے مدارس کا فارغ التحصیل طالب علم بہت سی کتابوں کے علاوہ ہدایہ اور صحاح ستہ کی اکثر کتابیں شروع سے لیکر آخر تک پڑھ چکا ہوتا ہے۔
—— مدیر معہد نے عربی قہوہ سے ہماری ضیافت کی اور اس کے بعد نماز جمعہ کیلئے ہم مسجد اقصیٰ روانہ ہو گئے ——

بیت المقدس میں علم دین کی اس حالت زار کو دیکھ کر مجھے امام غزالی کا قصہ یاد آیا۔ میں نے سنا ہے کہ امام غزالی جب بیت المقدس میں آئے تو اس وقت یہاں پر دو سو علماء تدریس میں

(باقی ص۹ پر)

جناب وحید الدین خاں صاحب

مذہب کے بغیر کیا

میک گل یونیورسٹی کے پروفیسر مائیکل بریچر (MICHAEL BRECHER) نے پنڈت جواہر لال نہرو کی سیاسی سوانح حیات لکھی ہے۔ اس سلسلے میں مصنف نے پنڈت نہرو سے ملاقات بھی کی تھی۔ نئی دہلی کی ایک ملاقات میں ۱۳ جون ۱۹۵۶ء کو انہوں نے پنڈت نہرو سے سوال کیا :-

"آپ مختصر طور پر مجھے بتائیں کہ آپ کے نزدیک اچھے سماج کے لئے کیا چیزیں ضروری ہیں۔ اور آپ کا بنیادی فلسفۂ زندگی کیا ہے"

ہندوستان کے سابق وزیر اعظم نے جواب دیا :

"میں کچھ معیاروں کا قائل ہوں۔ آپ ان کو اخلاقی معیار (MORAL STADADS) کہہ لیجئے۔ یہ معیار ہر فرد اور سماجی گروہ کے لئے ضروری ہیں۔ اگر وہ باقی نہ رہیں تو تمام مادی ترقی کے باوجود آپ کسی مفید نتیجہ تک نہیں پہنچ سکتے۔ ان معیاروں کو کیسے قائم رکھا جائے، یہ مجھے نہیں معلوم۔ ایک تو مذہبی نقطۂ نظر ہے، لیکن یہ اپنے تمام رسوم اور طریقوں کے ساتھ مجھے تنگ نظر آتا ہے۔ ------ میں اخلاق اور روحانی قدروں کو مذہب سے علیحدہ رکھ کر بڑی اہمیت دیتا ہوں۔ لیکن میں نہیں جانتا کہ ان کو یا قدرِ زندگی میں کس طرح قائم رکھا جا سکتا ہے۔ یہ ایک مسئلہ ہے۔"

NEHRU: A POLITICAL BIOGRAPHY (LONDON 1958) 607-8

یہ سوال و جواب جدید انسان کے اس دوسرے خلا کو بتاتا ہے جس میں آج وہ شدت سے

گرفتار ہے۔ افراد کو دیانت داخلاق کے ایک خاص معیار پہ باقی رکھنا ہر سماجی گروہ کی ایک ناگزیر ضرورت ہے، اس کے بغیر تمدن کا نظام صحیح طور پر برقرار نہیں رہ سکتا۔ مگر خدا کو چھوڑنے کے بعد انسان کو نہیں معلوم کہ وہ اس ضرورت کو کیسے پورا کرے، تین سو برس کے تجربے کے بعد وہ ابھی بدستور تلاش کی منزل میں ہے۔ پبلک اور حکام کے درمیان عمدہ تعلقات پیدا کرنے کے لئے خوش اخلاقی کا ہفتہ (COURTESY WEEK) منایا جاتا ہے۔ مگر اس کے بعد بھی جب سرکاری ملازموں کی افسرانہ ذہنیت ختم نہیں ہوتی تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس مقصد کے لئے "اخلاق" کا حوالہ دینا کافی نہیں ہے۔ بے ٹکٹ مسافروں کی بڑھتی ہوئی تعداد کو روکنے کیلئے تمام اسٹیشنوں پہ بڑے بڑے پوسٹر لگائے جاتے ہیں۔ "بے ٹکٹ سفر کرنا سماجی گناہ ہے" ——————— (TICKETLESS TRAVEL IS A SOCIAL EVIL) مگر جب اس کے باوجود بے ٹکٹ سفر ختم نہیں ہوتا، تو یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ "سماجی گناہ" کا لفظ وہ احساس پیدا نہیں کر سکتا جو نظم وضبط کی تعمیل کے لئے محرک بن سکے۔ پریس کے ذریعہ پروپیگنڈا کیا جاتا ہے۔ کہ جرم کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ (CRIME DOES NOT PAY) مگر جرائم کی بڑھتی ہوئی رفتار بتاتی ہے۔ کہ دنیوی بدانجامی کے اندیشہ میں اتنی طاقت نہیں ہے۔ کہ وہ آدمی کو جرم سے باز رکھے۔ تمام دفتروں کی دیواریں مختلف زبانوں کے ان الفاظ سے رنگین کر دی جاتی ہیں۔ "رشوت لینا اور رشوت دینا پاپ ہے" مگر جب ایک شخص دیکھتا ہے۔ کہ ہر محکمے میں عین انہیں الفاظ کے نیچے رشوت کا کاروبار پورے زور شور سے جاری ہے تو وہ یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اس قسم کے سرکاری پروپیگنڈے رشوت کو روکنے میں کسی درجہ میں بھی مفید نہیں ہیں۔ ریل کے تمام ڈبوں میں اس مضمون کے کتبے لگائے جاتے ہیں۔ "ریلوے قوم کی ملکیت ہے۔ اس کا نقصان پوری قوم کا نقصان ہے" مگر اس کے باوجود جب لوگ کھڑکیوں کے شیشے توڑ ڈالتے ہیں۔ اور بجلی کے بلب غائب کر دیتے ہیں، تو یہ اس بات کا ثبوت ہوتا ہے۔ کہ "قوم" کے مفاد میں اتنا زور نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے ایک شخص اپنے ذاتی مفاد کو قربان کر دے۔

"اجتماعی ذرائع کو ذاتی مفاد کے لئے استعمال کرنا ملک و قوم سے غداری ہے۔" ایک طرف لیڈروں اور حکمرانوں کی زبان سے یہ اعلان ہو رہا ہے، دوسری طرف بڑے بڑے قومی منصوبے اس لئے ناکام ہو رہے ہیں۔ کہ سرمایہ کا بڑا حصہ اصل منصوبے پر لگنے کی بجائے متعلقہ کارکنوں کی تحویل میں چلا جاتا ہے۔ اسی طرح ساری قومی زندگی انتہائی کوشش کے باوجود ان معیاروں سے محروم ہو گئی ہے۔ جو قومی تعمیر کے لئے ضروری ہیں۔ اور ان معیاروں کو پیدا کرنے کے لئے ذرائع استعمال

کئے گئے وہ سب کے سب قطعی ناکام ثابت ہوئے ہیں۔

یہ علامتیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ بے خدا تہذیب نے انسانیت کی گاڑی کو دلدل میں لا کر ڈال دیا ہے۔ اس کو اس پٹڑی سے محروم کر دیا ہے جس کے اوپر چل کر وہ اپنا سفر بحسن وخوبی طے کر سکتی ہے۔ زندگی کی کشتی بے لنگر اور بغیر بادبان ہو گئی ہے۔ اس کا واحد حل یہ ہے کہ انسان خدا کی طرف پلٹے، وہ زندگی کے لئے مذہب کی اہمیت تسلیم کرے۔ یہی وہ تنہا بنیاد ہے جس پر زندگی کی بہتر تعمیر ممکن ہے۔ اس کے سوا کسی بھی دوسری بنیاد پر زندگی کی تعمیر نہیں کی جاسکتی۔

ہندوستان میں امریکہ کے سابق سفیر مسٹر چیسٹر باولز (CHESTER BOWLES) لکھتے ہیں:

"زیر ترقی ممالک صنعتی ترقی حاصل کرنے کے سلسلے میں دو طرح کے مسائل سے دوچار ہیں۔ اور اور دونوں نہایت پیچیدہ ہیں۔ ایک یہ کہ سرمایہ، خام اشیاء اور فنی مہارت جو انہیں حاصل ہیں، ان کو کس طرح زیادہ بہتر طور پر استعمال کریں ——— دوسرا پیچیدہ مسئلہ وہ ہے جس کا تعلق عوام اور اداروں سے ہے۔ صنعت کو تیزی سے آگے بڑھانے کے ساتھ ہمیں یہ تیقن بھی حاصل کرنا ہے، کہ وہ جتنی خرابیوں کو دور کرے اس سے زیادہ خرابیاں پیدا نہ کردے۔ مہاتما گاندھی کے الفاظ میں: سائنسی معلومات اور دریافتیں محض حرص کو بڑھانے کا اوزار ثابت ہوسکتی ہیں۔ اصل قابل لحاظ چیز انسان ہے"؟

THE MAKINGS OF A JUST SOCIETY (DELHI 1965 P. 68-69)

باولز کے الفاظ میں "عوام گویا وہ ماحول ہیں جس کے اندر ترقیاتی پروگرام جاری ہوتے ہیں۔ ترقی کے ضروری سامان۔ سرمایہ اور فنی مہارت وغیرہ تمدنی اور سیاسی خلاء میں کارگر ثابت نہیں ہوسکتے" صـ۳۱

یہ خلاء کیسے پُر ہو، اور وہ ماحول کیسے بنے۔ جس میں عوام اور سرکاری کارکن دیانت داری اور اتحاد کے ساتھ ترقیاتی کاموں میں اپنے آپ کو صرف کریں۔ اس سوال کا کوئی جواب جدید مفکرین کے پاس نہیں ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ بے خدا تہذیب کے ماحول میں نہیں ہوسکتا۔ بے خدا تہذیب کے اندر ہر ترقیاتی اسکیم ایک زبردست تضاد کا شکار رہتی ہے۔ اور وہ یہ کہ اس کا شخصی نظریہ اس کے سماجی تصور سے ٹکراتا ہے۔ اس کا اجتماعی پروگرام یہ ہے کہ ایک پرامن اور خوش حال سماج کی تعمیر کی جائے۔ مگر اسی کے ساتھ اس کے مفکرین جب یہ کہتے ہیں کہ "انسان کا مقصد مادی خوشی حاصل کرنا ہے" تو وہ اپنی پہلی بات کی تردید کر دیتے ہیں، وہ پورے سماج کو جیسا دیکھنا چاہتے ہیں سماج کے افراد کو اس کے خلاف بنا رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس طرح کی کسی اسکیم کو اب تک اپنے

مقصد میں حقیقی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ تمام مادی فلسفے زندگی کا بہتر نظام بنانے میں ناکام ثابت ہوئے ہیں۔

مادی خوشی کو زندگی کا مقصد بنانے کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص اپنی اپنی خواہش پوری کرنا چاہے۔ لیکن اس محدود دنیا میں یہ ممکن نہیں ہے کہ ہر شخص دوسرے کو متاثر کئے بغیر یکساں طور پر اپنی اپنی خواہش پوری کر سکے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ایک آدمی جب اپنی تمام خواہشیں پوری کرنا چاہتا ہے، تو وہ دوسروں کے لیے مصیبت بن جاتا ہے۔ فرد کی خوشی سماج کی خوشی کو درہم برہم کر دیتی ہے۔ ایک محدود آمدنی والا شخص جب دیکھتا ہے۔ کہ اس کی اپنی آمدنی اس کی خواہشوں کی تکمیل کے لئے کافی نہیں ہو رہی ہے، تو وہ حق ماری، بد دیانتی، چوری، رشوت اور غبن کے ذریعہ اپنی آمدنی کی کمی کو پورا کرتا ہے۔ مگر اس طرح جب وہ اپنی خواہش پوری کر لیتا ہے۔ تو وہ سماج کو اسی محتاجی میں مبتلا کر دیتا ہے جس میں وہ خود پہلے مبتلا تھا۔ جدید دنیا ایک عجیب و غریب قسم کی نہایت خطرناک مصیبت میں مبتلا ہے جس کا تاریخ میں کبھی تجربہ نہیں ہوا تھا، یہ جرم کم سنی (JUVENILE DELINQUENCY) ہے۔ جو جدید زندگی کا لازمہ بن چکا ہے۔ یہ کم سن مجرمین کہاں سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کی پیدائش کا سرچشمہ وہی مادی خوشی کو پورا کرنا ہے۔ ایک شادی شدہ جوڑا کچھ دنوں ساتھ رہنے کے بعد ایک دوسرے سے اکتا جاتے ہیں۔ اور اپنی جنسی خوشی کے لئے ضروری سمجھتے ہیں کہ نیا جسم اور نیا چہرہ تلاش کریں۔ اس وقت وہ طلاق لے کر ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ اس علیحدگی کی قیمت سماج کو چند ایسے بچوں کی شکل میں ملتی ہے۔ جو اپنے ماں باپ کی موجودگی میں "یتیم" ہو گئے ہیں۔ یہ بچے والدین سے چھوٹنے کے بعد ماحول کے اندر اپنی کوئی جگہ نہیں پاتے، ایک طرف وہ بالکل آزاد ہوتے ہیں۔ اور دوسری طرف ماحول سے بیزار، یہ صورت حال بہت جلد انہیں جرائم تک پہنچا دیتی ہے۔ سر الفرڈ ڈیننگ (ALFRED DENING) نے بہت صحیح لکھا ہے۔ کہ اکثر کم سن اور نابالغ مجرمین اجڑے ہوئے گھرانوں (BROKEN HOMES) سے نمودار ہوتے ہیں۔

THE CHANGING LAW P. 111

اسی طرح موجودہ زندگی میں تمام خرابیوں کی جڑ صرف یہ واقعہ ہے۔ کہ جدید دنیا کا انفرادی فلسفہ اور اس کے اجتماعی مقاصد ایک دوسرے سے متضاد ہیں۔ وہ تمام واردات جن کو ہم ناپسند کرتے ہیں۔ اور ان کو جرم، برائی اور بدعنوانی کہتے ہیں۔ وہ دراصل کسی شخص یا پارٹی یا قوم کی اپنی مادی خوشی حاصل کرنے کی کوشش ہی ہوتی ہے۔ اور اسی کوشش کا سماجی انجام قتل۔ بدکاری، لڑائی، اغوا،

جبل سازی، ڈاکہ، لوٹ کھسوٹ، جنگ اور اسطرح کی دوسری بے شمار صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے۔

یہ تضاد بتاتا ہے۔ کہ زندگی کا مقصد اس کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتا کہ دنیا کی مادی چیزوں کے بجائے آخرت میں خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کو مقصد بنایا جائے۔ یہی وہ مقصد ہے جو فرد اور سماج کو باہمی تضاد سے بچاکر متوافق ترقی کی راہ پر گامزن کرتا ہے ...... نظریہ آخرت کی یہ خصوصیت جہاں یہ ثابت کرتی ہے، کہ وہی وہ واحد بنیاد ہے، جو ترقیاتی اسکیموں کو صحیح طور پر کامیاب کر سکتی ہے، اسی کے ساتھ وہ یہ بھی ثابت کرتی ہے، کہ وہی حقیقی مقصد ہے، کیونکہ غیر حقیقی چیز کسی مقصد کے لئے اتنی اہم اور اس سے اتنی ہم آہنگ نہیں ہو سکتی ہے۔

بیسویں صدی کی بیماری

موجودہ زمانے میں طب اور سرجری میں حیرت انگیز ترقی ہوئی ہے۔ یہ خیال کیا جانے لگا ہے۔ کہ سائنس، موت اور بڑھاپے کے سوا ہر جسمانی تکلیف پر قابو پا سکتی ہے۔ مگر اسی کے ساتھ بیماری کے اقسام میں نہایت تیزی سے ایک نئے تام کا اضافہ ہو رہا ہے۔ اعصابی بیماری (NERVOUS DSEASES)

یہ "اعصابی بیماریاں" کیا ہیں، یہ دراصل اسی تضاد کا ایک عملی ظہور ہے جس میں جدید سوسائٹی شدت سے مبتلا ہے۔ مادی تہذیب نے انسان کے اس حصے کو جو نمکیات، معدنیات اور گیسوں کا مرکب ہے، ترقی دینے کی کافی کوشش کی۔ مگر انسان کا وہ حصہ جو شعور، خواہش اور ارادہ پر مشتمل ہے، اس کی غذا سے اس کو محروم کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پہلا حصہ تو بظاہر فربہ اور خوش منظر دکھائی دینے لگا۔ مگر دوسرا حصہ جو اصل انسان ہے، وہ طرح طرح کے عوارض میں مبتلا ہو گیا۔

موجودہ امریکہ کے بارے میں وہاں کے ذمہ دار ذرائع کا اندازہ ہے کہ وہاں کے بڑے بڑے شہروں میں اسی فیصد مریض ایسے ہیں، جن کی علالت بنیادی طور پر نفسیاتی سبب (PSYCHIC CAUSATIO) کے تحت واقع ہوتی ہے۔ ماہرین نفسیات نے اس سلسلے میں جو تحقیقات کی ہیں، ان سے پتہ چلتا ہے، کہ ان بیماریوں کے پیدا ہونے کے چند اہم ترین وجوہ یہ ہیں: جرم، ناراضگی، اندیشہ، پریشانی، مایوسی، تذبذب، شبہ، حسد، خود غرضی، اور اکتاہٹ (BOREDOM) یہ سارے عوارض، اگر گہرائی کے ساتھ غور کیجئے تو بے خدا زندگی کا نتیجہ ہیں۔ خدا پر ایمان آدمی کے اندر وہ اعتماد پیدا کر دیتا ہے۔ جو مشکلات میں اس کے لئے سہارا بن سکے۔ وہ ایسا برتر مقصد اس کے سامنے رکھ دیتا ہے، جس کے بعد وہ چھوٹے چھوٹے مسائل کو نظر انداز کر کے اس کی طرف بڑھ سکے، وہ اس کو ایسا محرک دیتا ہے، جو سارے اخلاقی محاسن کی واحد بنیاد ہے۔ وہ عقیدے کی

وہ طاقت دیتا ہے جس کے متعلق ڈاکٹر سرولیم اوسلر (SIR WILLIAMOSLER) نے کہا ہے۔
" وہ ایک عظیم قوت محرکہ (GREAT MOVING FORCE) ہے جس کو نہ کسی ترازو میں تولا جاسکتا ہے، اور نہ لیبارٹری میں اسکی آزمائش کی جاسکتی ہے "

یہی عقیدے کی طاقت دراصل نفسیاتی صحت کا خزانہ ہے۔ جو نفسیات اس سرچشمہ سے محروم ہو وہ "بیماریوں" کے سوا کسی اور انجام سے دوچار نہیں ہوسکتی۔ یہ انسان کی بدقسمتی ہے، کہ وقت کے ماہرین نے نفسیاتی یا اعصابی عوارض کا کھوج لگانے میں تو کمال درجہ کی ذہانت کا ثبوت دیا ہے۔ مگر ان نو دریافت بیماریوں کا صحیح علاج تجویز کرنے میں وہ سخت ناکام ہوئے ہیں۔ ایک عیسائی عالم کے الفاظ میں "نفسیاتی علاج کے ماہرین (PSYCHIATRISTS) صرف اس تالے کی باریک تفصیلات بتانے میں اپنی کوشش صرف کر رہے ہیں۔ جو ہمارے اوپر صحت کے دروازے بند کرنے والا ہے "

جدید معاشرہ بیک وقت دو متضاد عمل کر رہا ہے۔ ایک طرف وہ مادی سازوسامان فراہم کرنے میں پوری قوت صرف کر رہا ہے۔ دوسری طرف مذہب کو ترک کر کے وہ حالات پیدا کر رہا ہے جس سے زندگی طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہو جائے۔ وہ ایک طرف دوا کھلا رہا ہے۔ اور دوسری جانب زہر کا انجکشن دے رہا ہے۔ یہاں میں ایک امریکی ڈاکٹر PAUL ERNEST ADOLPH کا ایک اقتباس نقل کروں گا، جو اس سلسلے میں ایک دلچسپ شہادت فراہم کرتا ہے :

" جن دنوں میں میڈیکل اسکول میں زیر تعلیم تھا، میں ان تبدیلیوں سے آگاہ ہوا جو زخم ہو جانے کی صورت میں جسم کے اخلاط (BODY TISSUES) میں رونما ہوتی ہیں۔ خوردبین کے ذریعہ نسیجوں کا مطالعہ کرتے ہوئے میں نے دیکھا کہ نسیجوں پر مختلف موافق اثرات کے واقع ہونے سے زخم کا اطمینان بخش اندمال ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد جب تعلیم ختم کر کے میں عملاً ڈاکٹری کے پیشہ میں داخل ہوا تو مجھے اپنے اوپر بڑا اعتماد تھا۔ کہ میں زخم اور اس کے اندمال کے طریقوں کو اس حد تک جانتا ہوں کہ میں یقینی طور پر موافق نتیجہ پیدا کرسکتا ہوں۔ جب کہ میں اس کے مزدوری وسائل مہیا کر کے اس کو استعمال میں لاؤں۔ لیکن جلد ہی میری اس خود اعتمادی کو صدمہ پہنچا، مجھے محسوس ہوا کہ میں نے اپنی میڈیکل سائنس میں ایک ایسے عنصر کو نظر انداز کر دیا تھا جو سب سے زیادہ اہم ہے ــــ یعنی خدا

ہسپتال میں جن مریضوں کی نگرانی میرے سپرد کی گئی، ان میں ایک ستر سال کی بوڑھی عورت

تھی جس کا کولہا زخمی ہو گیا تھا۔ ایکسرے تصاویر کے معائنہ سے معلوم ہوا کہ اسکی نسیجیں (TISSUES) بڑی تیزی سے ٹھیک ہو رہی ہیں۔ میں نے اس سرعت کے ساتھ شفایابی پہ اس کو مبارکباد پیش کی۔ انچارج سرجن نے مجھے ہدایت کی کہ اس خاتون کو چوبیس گھنٹے میں رخصت کر دیا جائے کیونکہ اب وہ کسی سہارے کے بغیر چلنے پھرنے کے قابل ہو گئی ہے۔

اتوار کا دن تھا۔ اسکی بیٹی ہفتہ وار ملاقات کے معمول کے مطابق اسے دیکھنے آئی۔ میں نے اس سے کہا کہ چونکہ اسکی ماں اب صحت یاب ہے، اس لئے وہ کل آکر اسے ہسپتال سے گھر لے جائے۔ لڑکی اس کے جواب میں کچھ نہیں بولی، اور سیدھی اپنی ماں کے پاس چلی گئی۔ اس نے اپنی ماں کو بتایا کہ اس نے اپنے شوہر سے اس کے بارے میں مشورہ کیا ہے۔ اور یہ طے ہوا ہے کہ وہ اسکو اپنے گھر نہ لے جاسکیں گے۔ اس کے لئے زیادہ بہتر انتظام کی صورت یہ ہے کہ اس کو کسی دارالضعفاء (OLD PEOPLE'S HOME) میں پہنچا دیا جائے۔

چند گھنٹوں کے بعد جب میں اس بڑھیا کے پاس گیا تو میں نے دیکھا کہ بڑی تیزی کیساتھ اس پر جسمانی انحطاط طاری ہو رہا ہے۔ چوبیس گھنٹوں کے اندر ہی وہ مر گئی ——— کولہے کے زخم کی وجہ سے نہیں بلکہ دل کے صدمہ کی وجہ سے۔

NOT OF HER BROKEN HIP BUT OF A BROKEN HEART

ہم نے ہر قسم کی ممکن طبی امداد اسے پہنچائی مگر وہ جانبر نہ ہو سکی۔ اس کے کولہے کی ٹوٹی ہوئی ہڈی تو بالکل درست ہو چکی تھی، مگر اس کے ٹوٹے ہوئے دل کا کوئی علاج نہ تھا۔ وٹامن، معدنیات اور ٹوٹی ہوئی ہڈی کو اپنی جگہ لانے کے لئے سارے ذرائع استعمال کرنے کے باوجود وہ صحت یاب نہیں ہوئی۔ یقینی طور پر اسکی ہڈیاں جڑ چکی تھیں اور وہ ایک مضبوط کولہے کی مالک ہو چکی تھی مگر وہ بچ نہ سکی۔ کیوں۔ اس لئے کہ اسکی صحت کے لئے اہم ترین عنصر جو درکار تھا، وہ وٹامن نہیں تھا، نہ معدنیات تھے، اور نہ ہڈیوں کا جڑنا تھا۔ یہ صرف امنگ (HOPE) تھی۔ اور جب زندگی کی امنگ ختم ہو گئی تو صحت بھی رخصت ہو گئی۔

اس واقعہ نے مجھ پر گہرا اثر کیا۔ کیونکہ اس کے ساتھ مجھے یہ شدید احساس تھا کہ اس بوڑھی خاتون کے ساتھ ہرگز یہ حادثہ پیش نہ آتا اگر یہ خاتون خدائی امید سے آشنا ہوتی جس پر ایک عیسائی کی حیثیت سے میں اعتقاد رکھتا ہوں۔ [THE EVIDENCE OF GOD]

اس مثال سے اندازہ ہوتا ہے، کہ جدید ترقی یافتہ دنیا کس قسم کے تضاد سے دوچار ہے۔ ایک طرف

وہ سارے علوم کو اس نہج پر ترقی دے رہی ہے جس سے خدا کا وجود حرف غلط ثابت ہو جائے۔ تعلیم و تربیت کے پورے نظام کو اس ڈھنگ سے چلایا جا رہا ہے۔ جس سے خدا اور مذہب کے احساسات دلوں سے رخصت ہو جائیں۔ اس طرح روح، اصل انسان، کو موت کے خطرے میں مبتلا کر کے اس کے جسم — مادی وجود — کو ترقی دینے کی سعی کی جا رہی ہے۔ نتیجہ یہ ہے، کہ عین اس وقت جبکہ بہترین ماہرین اسکی ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کو جوڑنے میں کامیابی حاصل کر چکے ہوتے ہیں، عقیدے کی اندرونی طاقت کی محرومی کی وجہ سے اس کا دل ٹوٹ جاتا ہے۔ اور بظاہر جسمانی صحت کے باوجود وہ موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے۔

یہی وہ تضاد ہے جس نے آج پوری انسانیت کو تباہ کر رکھا ہے۔ خوش پوش جسم حقیقی سکون سے محروم ہیں۔ عالی شان عمارتیں اجڑے ہوئے دلوں کا مسکن ہیں، جگمگاتے ہوئے شہر جرائم اور مصائب کا مرکز ہیں، شان دار حکومتیں اندرونی سازش اور بے اعتمادی کا شکار ہیں، بڑے بڑے منصوبے کردار کی خامی کی وجہ سے ناکام ہو رہے ہیں، غرض مادی ترقیات کے باوجود زندگی بالکل اجڑ گئی ہے، اور یہ سب نتیجہ ہے صرف ایک چیز کا کہ — انسان نے اپنے خدا کو چھوڑ دیا، اس نے اس سرچشمہ سے اپنے آپ کو محروم کر دیا جو اس کے خالق و مالک نے اس کے لئے مہیا کیا تھا۔

نفسیاتی امراض کی نوعیت جو اوپر بیان کی گئی، وہ اتنی واضح حقیقت ہے کہ خود اس فن کے علماء نے اس کا اعتراف کیا ہے۔ نفسیات کے مشہور عالم پروفیسر ینگ (C.G. JUNG) نے اپنی زندگی بھر کا تجربہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے :-

"پچھلے تیس برسوں میں روئے زمین کے تمام متمدن ممالک کے لوگوں نے مجھ سے (اپنے نفسیاتی امراض کے سلسلے میں) مشورہ حاصل کرنے کے لئے رجوع کیا ہے .... میرے مریضوں میں زندگی کے نصف آخر میں پہنچنے والے تمام لوگ — جو کہ ۳۵ سال کے بعد کہی جا سکتی ہے۔ کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں تھا جس کا مسئلہ اپنے آخری تجزیہ میں زندگی کا مذہبی نقطۂ نظر پانے کے سوا کچھ اور ہو۔ یہ کہنا صحیح ہوگا، کہ ان میں سے ہر شخص کی بیماری یہ تھی کہ اس نے وہ چیز کھو دی تھی جو کہ موجودہ مذاہب ہر دور میں اپنے پیرووں کو دیتے رہے ہیں۔ اور ان مریضوں میں سے کوئی بھی حقیقۃً اس وقت تک شفایاب نہ ہو سکا۔ جب تک اس نے اپنا مذہبی تصور دوبارہ نہیں پالیا" ۔[1]

---

[1] Quoted by C.A. Coulson, Science and Christian Belief. P. 110

یہ الفاظ اگرچہ سمجھنے والے کیلئے بجائے خود بالکل واضح ہیں۔ تاہم اگر میں نیویارک اکیڈمی آف سائنس کے صدر اے۔ کریسی مارلیسن کے الفاظ نقل کر دوں تو بات بالکل مکمل ہو جائے گی۔

"ادب واحترام، فیاضی، کردار کی بلندی، اخلاق، اعلیٰ خیالات اور وہ سب کچھ جس کو خدائی صفات (DIVINE ATTRIBUTES) کہا جا سکتا ہے۔ وہ کبھی الحاد سے پیدا نہیں ہو سکتی جو کہ دراصل خود بینی کی عجیب وغریب قسم ہے۔ جس میں آدمی خود اپنے آپ کو خدا کے مقام پر بٹھا لیتا ہے۔ عقیدے اور یقین کے بغیر تہذیب تباہ ہو جائے گی۔ نظم، بے نظمی میں تبدیل ہو جائے گا۔ ضبطِ نفس اور اپنے آپ پر کنٹرول کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اور برائی ہر طرف پھیل جائے گی۔ ضرورت ہے۔ کہ ہم خدا پر اپنے یقین کو دوبارہ مضبوط کریں۔"

(بشکریۂ الفرقان)

***.* (MAN DOES NOT STAND ALONE) P. 123

بقیہ؛ معراج رسولؐ ـــ کہ ان مکانات کو دکھانے کی وجہ سے معراج کرایا گیا۔ اور دیدار کا مطلب یا معنی ہے اللہ کی ذات اقدس کی تجلی کو دل کی آنکھ سے دیکھنا۔ اب سوال یہ باقی رہا کہ معراج کی آسمانوں پر ضرورت کیوں ہوئی، وجہ یہ ہے کہ عالم بالا اقدس ہے۔ اور عالم زمیں میں گناہ، ظلم، رشوتیں وغیرہ چلتی ہیں۔ جیل خانے مجرموں کے یہاں ہیں۔ مگر عالم بالا اس قسم کی تمام چیزوں سے پاک ہے، سب نیکی ہی نیکی ہے۔ ٭٭٭

ـــ بقیہ؛ دعوات عبدیت بحق ـــــ

نے تعجب کی وجہ پوچھی حضرت بلخیؒ نے کہا کہ تم ناتوان اور کمزور ہو فرمایا کہ نہیں مجھے شوق ہے اور محبت کسی کو کمزور نہیں ہونے دیتی اور اگر میں کمزور بھی ہوں تو وہ طاقت کا مالک ہے ـــ دین کی تعلیم اور تبلیغ کیلئے ایسی ہمت کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ وآخر دعوانا الحمد للہ ربّ العٰلمین ـــ ooooooooo

ادارۂ الحق حسب ذیل حضرات کا تہ دل سے ممنون ہے، جنہوں نے پچھلے ماہ اپنے حلقہ رسوخ میں سے نئے خریدار مہیا فرما کر اس دینی تبلیغ کے فروغ واشاعت میں حصہ لیا۔ جزاھم اللہ عنا وعن جمیع المسلمین۔

حضرت مولانا قاضی عزیز الرحمان صدر محکمۂ قضا سوات۔ (۲۰ خریدار) جناب صاحبزادہ نور الٰہی صاحب جلہاری شریف جہلم (۱۲ خریدار) جناب نعمت گل خٹک ایگزیکٹو انجینئر کوہاٹ۔ (۹ خریدار) حاجی بشیر الدین صاحب بوگرہ مشرقی پاکستان (۶ خریدار) ایک اہل خیر (۵ خریدار) مولانا قاضی عبد الصمد سربازی قلات (۲ خریدار) حاجی وجیہ الدین صاحب۔ مل (۳ خریدار)۔ مولانا قاضی عبد الکریم صاحب۔ کلاچی (۲ خریدار) مولانا محمد سلیمان مدرسہ رحمانیہ۔ میسور۔ انڈیا (۲ خریدار) ــــــــــ

تعارف و تلخیصِ کتب

جناب مولانا محمد اشرف صاحب ایم اے
صدر شعبۂ عربی۔ اسلامیہ کالج۔ پشاور
رفیقِ اعزازی الحق

ارمغانِ سلیمان پر ایک نظر

"ارمغانِ سلیمان" مرتبہ جناب مولوی غلام محمد صاحب (بی۔ اے عثمانیہ)
صفحات ۱۱۲ چھوٹی تقطیع قیمت تین روپے
ملنے کا پتہ: ۱۰۹۔ عالمگیر روڈ شرف آباد۔ کراچی

سید الملۃ علامہ سید سلیمان ندوی نور اللہ مرقدہ کی جلالتِ شان، عظمتِ دینی، فضیلتِ علمی، رفعتِ عرفانی، گوناگوں فضائل و کمالات اور خدماتِ دینی و ملی سے کون ناواقف ہے۔ عصر حاضر میں جامعیتِ علوم میں اپنی مثال آپ تھے ۔۔۔ ایک، جامعہ علم، ایک دائرۂ فضیلت، ایک مدرسہ فکر، علم و عمل، فضائل و کمالات کا حیرت انگیز مجموعہ و نمونہ ؎

یدل بمعنیٰ واحدٍ کل فاخرٍ وقد جمع الرحمٰن فیک المعانیا

اس قدر و منزلت کے باوجود کم لوگ جانتے ہوں گے۔ کہ اقلیمِ سخن بھی سید ذیجاہ کے دائرہ سیادت سے باہر نہ تھی۔

سخن سنجی کا ملکہ ممتاز و خداداد تھا ہی، سخن گوئی میں بھی بلند و نمایاں مقام رکھتے تھے۔ اور اردو، عربی، فارسی تینوں میں اچھے اشعار کہہ لیتے تھے ۔۔۔ مہارتِ فن میں ان کی مثال علماء کے طبقہ میں کم ملے گی، فنِ عروض پر عبور کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہوگا۔ کہ شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ کی مثنوی "رموزِ بیخودی" جب منظر عام پر آئی تو کئی مقامات پر حضرت سید صاحبؒ نے اصلاحی مشورے دئے، جسے اقبال مرحوم کی بلندی کردار نے خوش دلی سے قبول کیا۔ اس بارے میں اقبالؒ

کے خطوط (اقبالنامہ ج ا صفحہ ۹۷) کو دیکھا جا سکتا ہے۔ ایک خط میں ہے:

"آپ کا نوازش نامہ مل گیا ہے۔ جس کے لئے نہایت ممنون ہوں، مجھے اس سے بہت فائدہ پہنچے گا۔ قوافی کے متعلق جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا بالکل بجا ہے۔۔۔۔۔"

اسی طرح مولانا دریابادی اپنی ایک غزل کی اصلاح کے متعلق لکھتے ہیں:

"سید صاحب کی یہ اصلاح بالکل صحیح اور استادانہ تھی" (مکتوبات سلیمان صفحہ ۹)

غرض شعر و سخن کی دنیا میں بھی سید صاحب کا خاص مقام تھا۔۔۔۔ زیرِ نظر کتاب حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے مجموعہ کلام کا نام ہے۔ جو ان کے مسترشدِ خاص مریدِ باختصاص برادرم مولوی شاہ غلام محمد صاحب حیدرآبادی کراچی کو مل سکا۔ اور ان کی ترتیب و تہذیب تقریب اور تحشیہ کے ساتھ حسنِ طباعت سے اہلِ نظر اور مشتاقانِ سخن کے لئے نورِ دیدہ و دل بنا۔ فاضل مرتب حضرت الشیخؒ کے اجل مسترشد ہونے کے علاوہ علم و ادب کی بزم میں بھی مدت سے اپنے حسنِ ذوق کا ثبوت پیش کر رہے ہیں۔ اس سے پیشتر حضرت سید صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی عرفانی زندگی پر تذکرۂ سلیمانؒ جیسی کتاب پیش کر چکے ہیں۔ اکابر کی تصنیفات کے سودات کی کتابی ترتیب و پیشکش کی سعادت انہیں بار بار نصیب ہوتی ہے۔ اور اب تک مولانا گیلانیؒ کی مقالاتِ احسانی "تدوینِ حدیث" مولانا عبدالباری ندوی کی "اسلام کا نظامِ صلاح و اصلاح" وغیرہ کتابیں مرتب کر چکے ہیں۔ جو اہلِ علم کے حلقہ میں مصنفینِ کرام اور لائق مرتب کے لئے داد و ستائش حاصل کر چکی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عنایتِ خاص ہے۔ جس کا سبب ایک درویشِ باصفا کی نگاہِ فیض ہے۔

ارمغانِ سلیمانؒ اور اس کی تقریب مرتب کی اپنے شیخ سے محبت و لگن کا نشان اور ان کے مذاقِ سلیم، سخن فہمی و سخن سنجی پر شاہد ہے۔ مجموعہ حضرت سید صاحبؒ کے ادوارِ زندگی کی رعایت سے دو حصوں پر مشتمل ہے۔ ۱۔ غزل الغزلات، ۲۔ دورِ اول کا کلام۔

غزل الغزلات حضرت الشیخؒ کے اس عارفانہ کلام کا نام ہے۔ جو حکیم الامۃ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے ارادت کے بعد کہا گیا۔ حضرت سید صاحبؒ نے اس مجموعہ کا نام حضرت سلیمان علیہ السلام کے صحیفۂ عہدِ عتیق کے نام کی رعایت و موزونیت سے "غزل الغزلات" خود تجویز فرمایا تھا۔ یہ حصہ ارمغان کے صفحہ ۶۶ تک پھیلا ہوا ہے۔ سید صاحبؒ اسے اپنی شاعری کا حاصل سمجھتے تھے۔ فرماتے تھے "میری شاعری[1] حضرت والا مولانا تھانویؒ کے

---

[1] عارفانہ و انہامی ۔م۔ا

کے تعلق سے شروع ہوئی اور ان کے وصال پر ختم ہو گئی۔"

اس مجموعہ کے متعلق فرمایا: "یہ میرا غزل نامہ نہیں بلکہ سفر نامہ ہے۔" یعنی شیخؒ کی سیر سلوک کی مختلف منازل کی واردات قلبیہ اشعار کے پیرایہ میں موزوں ہو گئی ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں ؎

جو شعر بھی سپردِ قلم کر رہا ہوں میں سب وارداتِ عشق رقم کر رہا ہوں میں

فیض ہے یہ کس ولیٔ وقت کا اب مرا جو شعر ہے الہام ہے

کلام سیدؒ کا یہ حصہ ارمغانِ سلیمان کی معنوی حیثیت سے جان ہے۔ اور اپنی عارفانہ وحکیمانہ حکمت وماہیت اور عرفانی رموز و نکات کے لحاظ سے انتہائی عمیق اور وسعت معنیٰ کا حامل ہے ارشاد ہے:

سمجھیں میرے کلام کو جو ہوشمند ہیں مستی مری یہ بادۂ انگور کی نہیں

شیخِ وقت سیدھے سادے لیکن سہل ممتنع اشعار میں معارفِ ربانیہ اور الہاماتِ الٰہیہ کو بیان کرتے جاتے ہیں جس سے شیخ محقق اور مرید صادق دونوں بقدرِ ظرف واستعداد استفادہ کر سکتے ہیں۔ طریق کے مختلف مقامات واحوال کی نشاندہی اور سالکین کی مشکلات کی گرہ کشائی بفضلہ تعالیٰ کچھ اس انداز سے ہو گئی ہے، کہ اس مجموعہ کا بغور بغرض استفادہ مطالعہ ہر ذی استعداد سالک کیلئے دلیلِ راہ اور روشنی کا مینار بن سکتا ہے ——— مرتب کے حواشی بھی مسلکِ سلیمانیؒ کی محتاط ترجمانی کر رہے ہیں۔ اور مرتب کے ایجازِ قلم کا کرشمہ اور بصیرتِ باطنی کی دلیل ہیں۔ گو شیخ کا پرحکمت وعمیق کلام مستقل شرح کا طالب ہے۔ لیکن ارمغان کی پیش کش کا مقصد "متن کلام" ہے نہ بیانِ ارمغان، اور اس میں ماشاء اللہ مرتب خوب کامیاب رہے ہیں۔

اس جمال معنوی کے ساتھ کلام آرائشِ ظاہری و تزئین صوری سے بھی مالامال ہے ——— اور اس شعر کا مصداق ؎

بہارِ عالم حسنش دل وجان تازہ میدارد برنگ اصحاب صورت را ببو ارباب معنیٰ را

فقیر کا مقام نہیں کہ سیدی الشیخؒ کے منتخب اشعار پیش کرے تاہم ناظر کو قدم قدم پر معنوی کمال اور صوری جمال کا مرقع نظر آئے گا۔ ملاحظہ فرمائیے ؎

۱۔ انہیں کے دینے سے ملتا ہے جسکو ملتا ہے وہی نہ چاہیں تو کوشش کوئی ہزار کرے

دعائے ماثورہ اللّٰھم لامانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذی الجد منک الجد کا مفہوم کس خوبی سے ادا ہو گیا ہے۔

۲۔ جو آج لذتِ دردِ نہاں کا جویا ہے وہ پہلے سوز سے سینہ تو داغدار کرے

غالبؔ کا شعر ؎

اک عمر چاہیئے کہ گوارا ہو نیشِ عشق رکھی ہے آج لذتِ دردِ جگر کہاں

تو جس درجہ کا ہے ظاہر ہی ہے۔ لیکن سید صاحبؒ کا شعر بھی اپنے رنگ میں خوب ہے۔

۳۔ ذات کا ادراک محال اور مسالک کی دسترس سے وراء الوراء ہے۔ تاہم ایک نادیدہ تجلی اسے ہر آن شاد کام رکھتی ہے۔ حضرت فرماتے ہیں ؎

ادب سے دیکھ لیں مشتاق دور سے انکو محال ہے جو انہیں کوئی ہمکنار کرے

پوری غزل[1] انتخاب ہے۔ اور حسنِ ادا کی خوبی برجستگی، معنوی عمق اور عارفانہ حقیقت کا اچھوتا نمونہ، ملاحظہ فرمائیے ؛

سنا تو دے اسے افسانۂ غمِ ہجراں وہ اعتبار کرے یا نہ اعتبار کرے

تیری نظر میں ہے تاثیر مستیٔ صہبا ! تیری نگاہ جسے چاہے بادہ خوار کرے

چند اور شعر ملاحظہ فرمائیے ؛

اس کی دزدیدہ نگاہی کے نثار آج ہی آغاز کا انجام ہے

اب درِ پیرِ مغاں چھوٹے نہیں اس کی مٹی میں بھی کیفِ جام ہے

ہے نہیں "بھی ربطِ پنہانِ نیاز و نازِ عشق لَن تَرانی امتحانِ شوق کا پیغام ہے

ایک منتخب غزل " کے چند شعر درج کرتا ہوں :

دلِ حریفِ نگہ یار کہاں سے لاؤں جو نہ بیخود ہو وہ میخوار کہاں سے لاؤں

اف رے دریائے معاصی کی تلاطم خیزی وہ سفینہ جو کرے پار کہاں سے لاؤں

فیضِ ساقی ہے بہ اندازہ ظرف میخوار دل حریف لبِ بسیار کہاں سے لاؤں

قطرۂ اشک میں ہوں دل کے بھی ٹکڑے شامل
فطرتِ دیدۂ خونبار کہاں سے لاؤں

باقی آئندہ

[1] اس غزل کا ایک شعر بعد میں غالباً تقریب خلافت کی مناسبت سے سید صاحب نے حذف کر دیا تھا۔ مرتب نے بھی اتباعِ شیخ میں درج کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ حذف شدہ شعر پڑھئے اور داد دیجئے ؎

پلا دے ساغرِ سرشار مجھ کو وہ ساقی خزاں کو ایک اشارہ میں جو بہار کرے